

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مسئلہ تقلید کا عام فہم اور مدلل بیان

# ضرورتِ تقلید

مؤلف :

حضرت علامہ مولانا محبوب احمد المعروف خیر شاہ صاحب حنفی

نقشبندی مجددی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الرَّؤُوفِ الرَّحِيمِ

بے حساب شکر اُس ذات واحد مطلق کا جس نے اپنی معرفت کے واسطے انبیاء و اولیاء و علماء کو پے در پے ارسال فرمایا اور دونا معدود و سلام غیر محدود اُس کے حبیب پاک پر جس کے ذریعہ ہم کو شریعت و طریقت و معرفت حاصل ہوئی اور ہزاروں تحائف اُس کے آل و اصحاب و اولیاء پر جن کے طفیل اسرار قرآنی و رموز فرقانی اس امت پر کھل گئے۔

أَمَّا بَعْدُ:

واضح ہو کہ دین حق و راہ صادق ہم کو بذریعہ علماء دین و صلحاء کا ملین ہوتا رہا۔ پھر اگر علماء صلحاء کو گمراہ سمجھ کر اُن کی تقلید ترک کی جائے تو پھر اسلام کا کچھ حصہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ احکام اسلامیہ و مسائل شرعیہ نقلی ہیں اور ان کے ناقلین علماء و صلحاء ہیں۔ (دیکھو رسالہ انصاف از شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ)

اگر اُن کی تقلید کو ترک کر دیا تو گویا صاف طور پر دین کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ دین ہاتھ آیا تقلید کے ذریعہ تو جب تقلید چھوڑی تو دین گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

اب اگر صرف الفاظ قرآن پر دار و مدار ہے تو غیر مجتہد و بے علم کو شیطان ہزار ہا مقامات پر گمراہ کرنے کو تیار ہے۔ چنانچہ چکر الوی و نیچری و مرزائی دین کی حقیقت سب کو معلوم ہے پھر اگر خالی احادیث پر تکیہ کیا جائے تو اس کی صحت و سقم پر تحقیق و تصدیق ضروری ہے کیونکہ بلا تحقیق و تحقیق جرح و تعدیل کا ثبوت محال ہے اور یہی کام زیادہ تر مجتہد کے متعلق ہے۔ عام محدثین مثل بخاری و مسلم وغیرہا کو اس میں بہت کم حصہ ہے۔ بمقابلہ حضرات مجتہدین رحمہم اللہ کے۔ پھر اگر بلا تحقیق و تصدیق احادیث کو اپنا مدار اعمال ٹھہرایا تو اس میں سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ فرمایا حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے:

الحديث مضلة الا للفقهاء كما نقله الامام العلامة ابن الحاج مالکی فی مدخله.

یعنی حدیثیں فقہاء کے سوا سب کو پریشان کرتی ہیں۔

وہ اس کی صاف ہے وہم اعلم بمعانی الحديث كما قال الترمذی فی ابواب الجنائز وقالہ ابن حجر فی القلائد

یعنی فقہاء لوگ زیادہ جاننے والے ہیں معانی حدیث کو

اور ابن قیم اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

لا يجوز لا حدان ياخذ من الكتاب والسنة ما لم يجتمع فيه شروط الاجتهاد و من جميع العلوم -

یعنی کسی شخص کو جائز نہیں کہ قرآن و حدیث سے احکام نکالے جب تک کہ اُس میں اجتہاد کی شرطیں اور جملہ علوم کی تحصیل نہ پائی جائے۔

کفایہ میں ہے:

العامة اذا سمع حديثاً ليس له ان ياخذ بظاهره لجواز ان يكون مصروفاً عن ظاهره او منسوخاً بخلاف الفتوى

اور تقریر شرح تحریر میں ہے:

ليس للعامة الاخذ بظاهر الحديث لجواز كونه مصروفاً عن ظاهره او منسوخاً بل عليه الرجوع الى الفقهاء -

خلاصہ ہر دو عبارات کا یہ ہے کہ غیر مجتہد کو جائز نہیں کہ کسی سے کوئی حدیث سن کر فوراً اُس کے الفاظ پر تعمیل کرے کیونکہ کئی حدیثیں تو منسوخ ہیں۔ کئی اپنے اپنے محل اور وقت پر موقوف ہیں کئی مفتی بہ مسئلوں کے خلاف ہیں تو عامی کو سخت پریشانی ہوگی۔ بلکہ لازم ہے

یعنی عوام کو تقلید صحابہ سے منع کر کے امان مذاہب اربعہ پر کھڑا کیا جائے پس جب تمام محققین کی تحقیق یہی ہے کہ مسلمانوں کو چار اماموں کا مقلد بنایا جائے تو اس اجماع کو توڑنے والا صاف گمراہ بدعتی ملحد ہوگا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمام اقسام کے مسائل نصی و اجتماعی و اخلاقی کی تحقیق و تصدیق، تفصیل و تنقیح سوائے کتب فقہاء مجتہدین کے اور کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت میں سے کسی صاحب نے نہ تو کوئی تفسیر و حدیث کی کتاب لکھی، نہ کوئی فقہ و اصول کی کتاب تیار کی۔ کیونکہ ان کورات دن فتوحات ملکی و مہمات جہاد سے بالکل فراغت نہ تھی، نہ ان کو کسی کتاب کی ضرورت تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اسرار نبوت و انوار رسالت کا پرتو ان پر ہر دم پڑ رہا تھا پھر بعد ازاں آئمہ مجتہدین کو خدا نے یہ تاج کرامت و نور فراست بخشا تو انہوں نے کمال دیانت اور تقویٰ و صلاحیت اندرونی و خوف خدا و حمایت دین حق و ترویج احکام و تسہیل عوام کو مد نظر رکھ کر ہر قسم کے مسائل قرآن و حدیث سے نکالے۔ لہذا اب کسی جدید تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ (دیکھو مقدمہ شرح وقایہ اردو نقلاً) اور نہ حدیث پر بلا تقلید عمل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی شخص ایسا دنیا میں موجود ہوا نہ ہوگا کہ حضرات آئمہ اربعہ سے بڑھ کر ان کی تحقیقات ہو۔ پس فی زمانہ جس کو دین اسلام کی پوری ضرورت ہے وہ تو تقلید امان کی کر کے مومن صادق و ناجی بن جائے گا اور جو شخص تقلید سے خارج ہو گیا وہ مردود ہوا۔

اس خاکسار راقم الحروف نے جب دیکھا کہ آج کل لوگ نجات المومنین و تفسیر محمدی (کتب غیر مقلدین) پڑھ کر اپنے آپ کو مجتہدوں سے بڑھ کر مہدی و مسیح بھی کہلاتے ہیں اور مجتہدوں پر طعن کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں تو چند اوراق مثل تریاق لکھنے کا خیال پیدا ہوا تا کہ مقبول ازلی مقلد بنے اور شقی ابدی انکار و مخالفت اور ذور و تردید کرے۔

اب اس رسالہ کے ناظرین کی خدمت میں عرض کی جاتی ہے کہ تقلید شخصی کے

کہ فقہاء مجتہدین کی طرف رجوع کرنے تاکہ جو مسائل بعد از تدقیق و تحقیق و تصدیق احادیث و صحت و صلاحیت پائے ہیں۔ ان پر بلا دھڑک عمل کیا جائے۔ (دارمی ص ۸۰)  
ایسا ہی مضمون ہے مقدمہ شرح وقایہ اردو میں نقلاً عن روضة الطالبین  
لامام النووی

یہی بیان علامہ دھر سید سہودی عقد فرید میں لکھتے ہیں:

وقد قال محقق الحنفية الكمال ابن الهمام رحمة الله عليه نقل  
الامام الرازی اجمع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة  
بل یقلدون من بعدہم الذین یسروا و وضعوا و دونوا۔ الخ  
یعنی علماء محققین کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کی تقلید سے عام مسلمانوں کو روک  
دیا جائے اور آئمہ فقہاء کی تقلید پر لگا دیا جائے۔

اور اس طرح بیان کیا ہے صاحب مسلم الثبوت نے۔ وہ عبارت یہ ہے:

اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابة بل علیہم  
اتباع الذین یسروا و یووبوا و ھذبوا و نقحوا و فرقوا و عللوا و فصلوا  
و علیہ ابنتی ابن الصلاح منع تقلید غیر الائمة۔

یعنی عوام کو صحابہ کی تقلید سے ہٹا کر ان لوگوں کی تقلید پر بنایا جائے جنہوں نے  
جملہ مسائل اسلامیہ اتفاقاً و اختلافاً فیہ و اصولیہ و فروعیہ کی خوب تحقیق و تکمیل و تفصیل کی ہے  
اور فرمایا امام استوکی نے شرح منہاج الاصول میں (جو قاضی بیضاوی کی ہے)

قال الامام الحرمین فی البرہان اجمع المحققون علی ان العوام لیس لہم  
ان یعلموا بامذہب الصحابة بل علیہم ان یتبعوا مذاہب الائمة۔ الخ

ان اصحاب السنۃ والجماعۃ ہم اهل المذہب الاربعۃ۔ الخ۔ (عقود الجواہر المفیدۃ ص ۱۵)

وجوب کے دلائل تحریر کرنے سے پہلے چند امور عقلی و نقلی کا بیان کرنا از بس ضروری ہے۔ تاکہ یہ مسئلہ صاف طور پر سمجھ میں آکر ذہن نشین ہو جائے اور ہر اک ذکی و غبی کے فہم میں یکسانی آجائے۔ وہ امور بطور مقدمہ ہیں یا ذکرنا ان کا از حد مفید ہے۔

### مقدمہ

اے ناظرین اہل دین آپ ان امور کو بخوبی یاد کر لیں تاکہ رسالہ کا مضمون اور مقصد اصلی آپ کے خیال میں نہایت عمدگی سے پیشہ جائے اور کسی قسم کا شک و تردد نہ رہے۔ امر اول: ارشاد رب العباد ہے:

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پارہ ۱۳، سورۃ الرعد آیت نمبر ۷)

وَلِكُلِّ وَجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّئُهَا (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۴۸)

یعنی ہر اک قوم کے واسطے ایک ایک ہادی مقرر ہے اور ہر اک شخص کے واسطے ایک ایک جہت مقرر ہے اور اسی جہت واحدہ مقررہ کی طرف وہ متوجہ ہونے والا ہے۔

یہاں پر لفظ قوم پر نظر کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ قوم اپنے لفظی و معنوی مفہوم کے لحاظ سے عموم و خصوص پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی تو اہل ملت پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم ہو، قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح، قوم عاد، قوم موسیٰ، قوم عیسیٰ وغیرہ اور کبھی بلحاظ پیشہ و تجارت کے بولا جاتا ہے۔ جیسا قوم اراکین، قوم قصاب، قوم خوجہ، قوم بافندہ وغیرہ اور کبھی بوجہ نسبت ملکی قوم کہا جاتا ہے۔ مثلاً قوم پنجابی، قوم کشمیری، قوم ہندوستانی، قوم افغانی وغیرہ کبھی بوجہ اضافت مذہبی و اعتدائی مذہب بولا جاتا ہے اور کبھی بلحاظ صفت بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بار بار تفصیل سے یوں ارشاد فرمایا ہے:

لِقَوْمٍ يُمُونُونَ (پارہ ۸، سورۃ اعراف آیت ۵۲)

وَقَوْمٍ فُورَعُونَ (پارہ ۹، سورۃ اعراف، آیت نمبر ۱۲)

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ آیت ۱۱)

وَقَوْمٍ الْفَاسِقِينَ (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۱۲)

لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ، لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ، لِقَوْمٍ الظَّالِمِينَ

(یونس) قَوْمِ الْمَجْرُمِينَ (یوسف) لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (رعد) قَوْمِ الْمُنْكَرُونَ (انج)

لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ (نمل) قَوْمِ لَدَا (مریم) لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (انبیاء) قَوْمِ بُورَا

(فرقان) قَوْمِ ضَالِّينَ (مؤمنون) لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (جاثیہ)

غرض کہ لفظ قوم سے ایک فرقہ ایک جماعت مراد ہے، خواہ وہ جماعت قلیل ہو یا کثیر۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ ایک قوم کیلئے ایک ہی ہادی والا مقرر بہتر ہے۔ دو کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ پس کیونکر صادق ہوگا وہ شخص جو کبھی شافعی بنے کبھی حنفی، کبھی مالکی اور اپنے دل کو ہر اک کا تابع دار بنائے۔ مثلاً ایک شخص خدا کی عبادت کرتا ہے مگر منہ اُس کا صرف ایک قبلہ کی طرف ہی بہتر ہے۔ اگر بموجب آیہ فَايِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنُفِمْ وَجْهَ اللَّهِ کے ہر اک طرف ذات حق کو خیال کر کے ہر طرف سجدہ کرے تو کیسا احمق ہوگا۔ باوجود اس کے کہ ذات حق ہر طرف برابر ہے۔ پس گویا صاف تعلیم ہے کہ ایک ہی جہت میں تسکین ہے۔ امر دوم: از روئے شرع شریف احکام تین نوع پر ہیں۔

(۱) صاف رشد و ہدایت۔ یہ تو از قسم حلال واجب الاتباع ہیں۔

(۲) صریح غی و ضلالت۔ یہ از قسم حرام واجب التکرار ہیں۔

(۳) مختلف فیہا یعنی جن میں اہل علم مجتہدین کا اختلاف و نزاع ہے۔ بعض کے

نزدیک تو بعض امور جائز و بعض حلال اور بعض کے نزدیک وہی چیزیں وہی امور حرام و ناجائز ہیں۔ کیونکہ ان کی نسبت کوئی حکم صریح و نص جلی وارد نہیں۔ تو ایسی حالت میں



غیر مجتہد کا حق نہیں کہ احکام اجتہاد یہ کی از سر نو تحقیق و تصدیق کر کے ترجیح و تفصیل بیان کرے پس بجز ایک امام کے چارہ نہیں اور شارع نے اس تیسری نوع کے متعلق حضور علیہ السلام نے تین ارشاد فرمائے۔ ایک تو فرمایا:

امر مختلف فیہ فکله الی اللہ (رواہ احمد)

یعنی اختلافی امور کو تو خدا کے سپرد کر اور تو اپنا دخل نہ دے۔ کیونکہ تجھ میں اس قدر تحقیق و تفتیش کا مادہ و قابلیت لیاقت نہیں جو فقہاء مجتہدین کی تحقیقات و فیصلہ جات پر غور و غوض کرے بلکہ تو اگر کر سکتا ہے تو یہ کر:

یہ دوسرا فرمایا فمن اتقی من الشبهات فقد استبرأ للدينه و عرضه و من وقع فی الشبهات وقع فی الحرام (متفق علیہ)

یعنی جب شک و شبہ پیدا ہو اور بوجہ اختلاف کے ایک چیز کی نسبت حلت و حرمت کا اشتباہ پڑے تو سیدھا طریق سلامتی کا یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں سے بچتے رہو کیونکہ جب مشتبہ چیزوں پر تم نے دلیری کر کے کھانا پینا و جواز ثابت کر لیا تو بس اب تم حرام خواری میں پڑ جاؤ گے۔ جس نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا تو بے شک اُس نے اپنا دین و ایمان بچا لیا۔ چنانچہ یہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔ دع ما یربک الی ما لا یربک (رواہ ابن حبان) پس جب تقلید کے ترک سے ہزار ہا نقصانات نظر آئے اور شک و شبہ پیدا ہوا۔ آخر الامر نتیجہ کیا نکلا کہ اماموں پر طعن و انزام اور مجتہدین پر اغلاط کا اتہام یہاں تک کہ تقلید سے نکل کر وہابی ہوئے۔ وہاں سے کچھ نہ ملا تو نیچری بن گئے۔ وہاں سے کچھ نہ ملا تو مرزائی ہو گئے۔ پھر سب سے نکل کر عیسائی بن گئے۔

سچ ہے: اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار۔

تیسرا فرمایا: پاک پروردگار کا قول: لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها

(پارہ ۸، سورۃ اعراف آیت ۵۶)

یعنی بعد اصلاح کے فتنہ فساد نہ کرو۔

اب تیرہویں صدی کے آخر تک سب مسلمان پابند تقلید تھے۔ قرب اختتام تیرہویں صدی پر وہابی گروہ کا زور ہوا تو بس فتنہ فساد گھر گھر وہ بہ دہ شروع ہوا۔ آخر الامر جس طرح ہر اک پیشہ و تجارت مثلاً بے فروش و طوائف و نقال و نائک و غیرہ کو سرکار انگریزی کی طرف سے عام اجازت ہے جس طرح جس وقت جہاں چاہیں کر سکتے ہیں اسی طرح بلحاظ مذہبی آزادی کے وہابیوں کو بھی عام اجازت مل گئی۔ اب بے طالع اُس کے جس کی طرف عیسائی اور خپے طالع اُس کے جس کی طرف امامان دین و سلف صالحین غیر مقلدین کی خوشی نصیبی کی کافی دلیل یہی ہے کہ کل مسلمانان روئے زمین ان کے مخالف اور صرف عیسائی وہابیوں کے مؤید۔

امر سوم: پاک پروردگار نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ پر یوں ارشاد فرمایا: فبہدھم اقتدہ (پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت نمبر ۹۰) یعنی انبیاء سابقین کی ہدایت کی اتباع کر۔ دوسری جگہ یوں حکم ہوا:

اتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً۔ (پارہ ۱۲، سورۃ نحل، آیت ۱۲۳)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کر۔

اس کی کیا وجہ ہے کہ باوجود سب انبیاء کرام علیہم السلام کی توحید و ہدایت تو ایک ہی تھی پھر تخصیص بعد از تعمیم ایک ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم کیوں ہوا؟ بظاہر ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف خاص حنیفاً فرمایا۔ یعنی یک رخ یک جہت تھے۔ اس قسم کے مسلمان نہ تھے کہ بین بین چال چلتے باہر دلعزیزی کو مد نظر رکھ کر تذبذب کو اختیار کرتے بلکہ صاف سچائی کو اختیار کر لیا تھا۔ تو یہ وصف خدا کو زیادہ پسند آیا تو

فرمایا کہ ابراہیم حنیف کی ملت پر چلو۔ پس ثابت ہوا کہ یکطرفہ آدمی خدا کو پیارا ہے اور ہر رنگی و ہر جاتی ناپسند ہے۔ یہی فرق تقلید و غیر تقلید میں ہے۔ پھر یہ بھی عیاں ہے کہ مقصود ذات باری کا یہی ہے کہ تم بھی یکطرفہ بنو کیونکہ گو سب انبیاء و مرسلین حق پر ہیں مگر پھر بھی ایک ہی کی اطاعت بہتر و افضل ہے اور اسی میں صلاحیت و احسان موجود ہے۔ پس جبکہ سب اہل حق و اہل اللہ کو برحق و ہادی و انام الناس جان کر ایک ہی کا اتباع کرنا منشاء ربی ہے۔ تو پھر سب مجتہدین کو راجع الی الحق سمجھ کر ایک کی تقلید کرنا کیوں معیوب و مکروہ ہے بلکہ فی الحال مقبول ازلی کی علامت ہی تقلید ہے۔

امر چہارم: جس طرح سب کتابوں پر ایمان لانا اور سب کا منجانب اللہ ہونا تسلیم کرنا لازمی ہے مگر بوقت تعمیل و ارشاد صرف ایک ہی کتاب قرآن مجید کو دستاویز و مستند بنانا ضروری ہے اسی طرح سب مجتہدوں کو رہنمائے صادق جان کر بوقت معاملات و عبادات و قضاء و افتاء ایک ہی امام کی تقلید کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ کل کتب و صحائف انبیاء من اللہ ہیں پھر ایک ہی کتاب پر ایمان کا دار و مدار اور اعمال و اقوال کا معیار رکھنا اس کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر وجہ یہ ہے کہ ہر اک کتاب میں مسائل مختلف ہوتے ہیں اور ہر اک کتاب کے احکام و فرائض حسب زمانہ و مصلحت و وقت و مناسب ضرورت ہوتے ہیں تو ایک کتاب پر عمل کرنے سے ایک قسم کا نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تورات پڑھتے دیکھ کر غضب ہو کر فرمایا

لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباع۔ الحدیث (داری)

یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب کتاب و مرسل و مقرب و کلیم اللہ بھی میرے وقت میں موجود ہوتا تو وہ بھی میری ہی متابعت کرتا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی صاحب کتاب و مرسل تھے اور ان کی کتاب کا دیکھنا حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ جیسے کو کچھ معزز بھی نہ تھا۔ مگر چونکہ پریشانی طبع کا اندیشہ تھا یا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ ڈر بھی نہ ہو لیکن ان کو دیکھ کر شاید اور لوگ بھی پڑھنا شروع کرتے تو سخت خرابی پیدا ہوتی۔ اس واسطے مطالعہ سے بھی منع فرمایا۔ اسی طرح حضرات مجتہدین بھی بہت مسائل میں باہمی مختلف ہیں اور مسائل مختلف فیہ میں حق بجانب واحد ضروری ہے اور اسی موقعہ پر بجز ایک مجتہد کی تقلید کے کوئی طریق صواب بھی نہیں اور ایک کی تقلید سے نفاق و اختلاف کی آگ سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ سب علماء دین و اولیاء کاملین کا بھی طریق عمل رہا اور ہے۔

امر پنجم: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تاجناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر انبیاء و مرسلین گزرے ہیں۔ وہ سب کے سب برحق و ہادی صادق تھے مگر بآد جود تصدیق و اقرار جملہ انبیاء و مرسلین متابعت صرف ایک ہمارے سید و مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ضروری و لازمی ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی تقلید شخصی ہے کیونکہ اگرچہ سب پر ایمان لانا فرض ہے مگر اتباع ایک ہی کی لازم ہے تاکہ تذبذب اور اضطراب سے نکل کر سیدہا حق پر کھڑا رہے اور ایک طرفہ مسلمان کہلائے اور اگر کوئی کہے کہ چونکہ سب انبیاء علیہم السلام برحق ہیں تو میں سب کی شریعتوں پر عامل ہو جاؤں اور تمام ادیان کے احکام و مسائل کا پابند ہوں گا شخصی نبوت کی اتباع کیا ضرور ہے تو ایسا شخص ضرور گمراہ ہوگا کیونکہ اکثر مسائل و احکام میں انبیاء کرام باہم علیحدہ ہیں تو ہر اک نبی کے حکم پر موضع اختلاف میں عمل کرنا سخت ناگوار ہے۔ لہذا ایک ہی نبی کے اتباع میں کل انبیاء علیہم السلام کی اتباع آگئی اسی طرح جملہ مجتہدین اگرچہ مدعی حق و قبیح سنت ہیں اور اتفاقی مسائل میں تو سب کی اتباع ہو جاتی ہے مگر عندالافتلاف ایک ہی امام کی تقلید کافی ہے۔ ورنہ کبھی ایک مجتہد کو غلطی پر قرار دے گا اور کبھی دوسرے کو خطا پر قائم سمجھ کر اپنا ایک جدا مذہب بنا کر خلق

خدا کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ نیچری، مرزائی، وہابی، چکڑالوی کا حال سب کو معلوم ہے۔  
 امر ششم: جس طرح دنیاوی مسافروں پر لازم ہے کہ اپنے قافلہ میں سے ایک ایسے شخص کو امام درانہما بنائیں جو سفر کے حالات و تکالیف اور مقامات راحت و رنج وغیرہ کا واقف ہو اور مسافرین اس کے پیچھے برابر اقتدا کر کے سیدھے منزل مقصود پر پہنچ جائیں چنانچہ حدیث میں ہے:

اذ خرج للثلاثة في سفر فليومروا احدهم۔ (رواہ ابو داؤد) و فی روایہ لا یحل للثلاثة یكونوا بفلاة من الارض الا امروا علیهم احدهم۔ (رواہ احمد)  
 یعنی سفر میں اپنی جماعت سے ایک شخص کو امام و مقتدا بنا کر چلو تا کہ سیدھی راہ ملے اسی طرح صراط مستقیم راہ حق پر چلنے والے بھی ضرور اپنا کوئی ایک امام مقرر کر کے راہ پر چلیں کیونکہ یہ راہ بھی ایک نہایت نازک راہ ہے اور اس راہ میں کئی قسم کے شیطان انسانی و جنائی لوٹ مار کو تیار ہیں اور یہ قافلہ اہل ایمان کا بار بار واپس آنے والا بھی نہیں اور اس راہ کی ضروریات و لوازمات سفر بھی پھر ملنے کے نہیں۔ اس واسطے فرض ہے کہ مسلمان لوگ مجتہد کو اپنا امام بنا کر اس کی تقلید کریں تاکہ بظحوائے حدیث ان الشیطان مع الفرد کہیں شیطان غیر مقلد بنا کر براہ نہ کرے۔

امر ہفتم: اتباع آئمہ مجتہدین عین اتباع ارشادات انبیاء و رسل ہے کیونکہ ہر اک امام اپنی اپنی تحقیقات و معلومات میں من حیث اولہ شرعیہ حق پر ہے اور بدیں لحاظ امام اپنے جملہ عقائد و اعمال میں متبع حق ہے کیونکہ مجتہد یا تو احکام و مسائل اخذ کرے گا۔ کتاب و سنت و اجماع سے تصریحاً و تخریجاً یا استدلال کرے گا اجتہاد سے تو بہر حال وہ مطیع الرسول و متبع حق ہوا۔ پس جو شخص متبع حق ہو اس کی اتباع فرض ہے کیونکہ وہ اتباع حق ہے والحق احق ان یتبع۔

سوال: اتباع اگر فرض ہے تو سب متبعین حق کی نہ صرف ایک ہی کی۔

جواب: اس سوال کا جواب امر دوم و ششم میں گذرا ہے۔ امر پانزدہم میں آتا ہے مگر فی الجملہ کچھ عرض یہاں بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ سب متبعین حق کی اتباع فرض ہے۔ مگر ایک کی بھی تو فرض ہوئی۔ مثلاً جیسا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ایک بھی تو فرض ہے۔ یا جیسا اقیمو الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ میں سب پر نمازیں فرض ہیں۔ ایک پر بھی تو فرض ہے پس جس طرح ایک نماز کے وقت پانچوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے یا ہر اک نماز سے قدرے قدرے حصہ لے کر ایک نماز بنا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح سب مذاہب ملا کر عمل کرنا یا ہر اک مذہب سے چن چن کر حسب منشاء مسائل پر عمل کرنا سخت منع ہے بالا جماع۔ سیاقی بیانہ انشاء اللہ۔ جس طرح ایک نماز کے وقت دوسری فرض نہیں جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آئے دوسری فرض نہیں۔ مثلاً صبح کو ظہر و عصر کی نماز فرض نہیں اور مغرب کو صبح و عشاء فرض نہیں۔ اسی طرح ایک امام کی تقلید کے وقت دوسرے کی تقلید منع ہے۔

امر ہشتم: حدیثوں میں بار بار آیا ہے کہ نماز میں وہ شخص امام ہو جو اقلی و اقلیہ واقف و اعلم ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

یوم القوم الفقہم فی الدین و اعلمہم بالسنة (الحديث، مشکوٰۃ)  
 یعنی امام وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہو۔ اگرچہ اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں مگر اعلم واقف کے ہوتے ہوئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کتب فقہ و مظاہر حق میں خوب تشریح موجود ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر قسم کے متقی و بزرگ و قاری و بوڑھے و مہاجرین موجود تھے۔ مگر پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا:



لا ینبغی لاحد ان یوم القوم و فیہم ابوبکر (رواہ الترمذی)

یعنی جس جماعت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہو تو کوئی دوسرا شخص امام نہ ہو یعنی ابوبکر ہی امام بنے۔

اب ہر ایک عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ قوم میں سے اعلم کو امام بنانے سے کیا مرضی ہے کہ ایک ہی امام کافی ہے اور یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ جب نماز کے واسطے جو صرف وقتی اقتداء ہے۔ اعلم وافتی کی شرط ہے تو دینی معاملات و عقائد و ایمانیات وغیرہ میں تو زیادہ تر اعلم وافتی کی اتباع واجب ہے۔ دیکھو باوجودیکہ اکثر صحابہ کرام علوم و عقائد و فرائض سے واقف اور شرافت و کرامت پر فائز تھے مگر ان کی موجودگی میں پھر بھی ایک صدیق اکبر کو امامت کا حکم دیا اور ماسوائے ان کے اوروں کو منع فرمایا۔ پس اسی طرح تمام علماء کے بالمقابل ایک امام الامہ سراج الائمہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلم و افضل و اکمل ہیں۔ پھر ایسے امام العالم کو چھوڑ کر ترجمہ خوان مشکوٰۃ مولویوں یا تفسیر محمدی کے تحصیل یافتوں کے پیچھے لگ جانا کس قدر نالائق ہے۔ بلکہ جو لوگ اماموں کے دشمن اولیاء کے دشمن اُن کی غلطیاں نکال کر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے لوگوں سے اگر اتفاقاً کچھ بھی نکل جائے تو ہرگز ہرگز باور نہ کریں کیونکہ شاید بظاہر ہی ہو اور فی الاصل غلط اور بد باطن بد گو بد بین بد عقیدہ کا کچھ بھی یقینی نہیں (دیکھو مقدمہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۲ اور دراری جلد اول صفحہ ۵۹ وغیرہ)

اسرئیم: جبکہ امامان دین و حضرات مجتہدین اتفاق وفاق قرآنیہ و اسرار و نکات احادیث نبویہ کے منظر و مبین ہیں تو بدیں لحاظ ان کی تقلید کے واسطے دلیل شرعی و نص قطعی کا طلب کرنا اسراف و مبالغہ و بلا ہمت ہے۔ کیونکہ حصول اسرار و مقاصد قرآنیہ و ارشادات احمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تو موقوف ہوا اتباع تحقیق مجتہدین پر اور اتباع مجتہدین موقوف ہوا اولاد

شرعیہ پر تو اس صورت میں اور لازم آیا اور درود تسلسل ہے جو ثابت ہو وہ حجت نہیں۔ پھر ہم سے دلیل شرعی تقلید پر کیوں طلب کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تقلید مجتہدین بھی عقلاً واجب ہے اور ثبوت اس کا مثل ثبوت مسائل ایمانیہ و اعتقادیہ کو جو سب حانہ و تعالیٰ و ملائکہ و کتبہ و رسالہ و الحشر و النسر و مثلہم کے ہے۔ پس یہ مسئلہ (تقلید) ثابت ہوا مثل مسائل ایمانیہ و اعتقادیہ کے اور نہ لازم ہوا ثبوت اُس کا اولہ شرعیہ سے بدیں وجہ کہ مسائل شرعیہ کا ثبوت موقوف ہے اتباع آئمہ دین پر اور مسائل کی تحقیق و تصدیق کا دار و مدار ہے تقلید و امامان دین پر اور بس۔ ہاں اگر اولہ نہیں تو صرف مزید تاکید کیلئے نہ یہ کہ موقوف علیہ تقلید قرار دیے جائیں۔

اسر دہم: امامان اربعہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کے چار صوبے ہیں اور چاروں ریاستوں کی رعایا پر احکام مختلفہ حسب مناسبت ملک جاری ہیں تو احکام اختلافیہ میں رعایا پر چاروں صوبوں کی اطاعت لازم نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کی گرفت ہے کہ تم نے ہر ایک صوبہ کی اطاعت کیوں نہیں کی۔ بلکہ اُسی حاکم و صوبہ کی اطاعت واجب ہے جو اپنی رعایا پر حکمران ہے اور اپنی ملکی حدود کا فرمانروا ہے۔ کیونکہ ہر ملک و ہر اک شہر کے قوانین و احکام جدا اور ہر تحصیل و ضلع کے حدود و فرمان جدا ہیں اور ملکی رعایا کے قواعد علیحدہ اور جنگ و فوجی قوانین علیحدہ۔ پس نظر بریں اختلاف ایک حالت ایک حیثیت ایک وقت میں سب حکام کے تابع ہونا نہایت دشوار بلکہ محال ہے۔ ہاں ایک حاکم وقت موجودہ کی اطاعت لازم و آسان ہے اور اس ایک ہی حاکم وقت کی متابعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح مذاہب مجتہدین کی تقلید و اتباع عین اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امریا ز دہم: جس قدر تمام دنیا کی آبادی اور بلاد و امصار کی تعداد ہے۔ اُن سب میں



خدا کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ نیچری، مرزائی، وہابی، چکڑ الوی کا حال سب کو معلوم ہے۔

امر ششم: جس طرح دنیاوی مسافروں پر لازم ہے کہ اپنے قافلہ میں سے ایک ایسے شخص کو امام درانہا بنائیں جو سفر کے حالات و تکالیف اور مقامات راحۃ و رنج وغیرہ کا واقف ہو اور مسافرین اس کے پیچھے برابر اقتدا کر کے سیدھے منزل مقصود پر پہنچ جائیں چنانچہ حدیث میں ہے:

اذا خرج ثلاثة في سفر فليومروا احدهم۔ (رواہ ابوداؤد) کو فی روایۃ لا يحل الثلاثة يكونوا بفلاة من الارض الا امروا عليهم احدهم۔ (رواہ احمد)

یعنی سفر میں اپنی جماعت سے ایک شخص کو امام و مقتدا بنا کر چلنا کہ سیدھی راہ ملے اسی طرح صراط مستقیم راہ حق پر چلنے والے بھی ضرور اپنا کوئی ایک امام مقرر کر کے راہ پر چلیں کیونکہ یہ راہ بھی ایک نہایت نازک راہ ہے اور اس راہ میں کئی قسم کے شیطان انسانی و جناتی لوٹ مار کو تیار ہیں اور یہ قافلہ اہل ایمان کا بار بار واپس آنے والا بھی نہیں اور اس راہ کی ضروریات و لوازمات سفر بھی پھر ملنے کے نہیں۔ اس واسطے فرض ہے کہ مسلمان لوگ مجتہد کو اپنا امام بنا کر اس کی تقلید کریں تاکہ بضحوائے حدیث ان الشیطان مع الفرد کہیں شیطان غیر مقلد بنا کر برا نہ کرے۔

امر ہفتم: اتباع آئمہ مجتہدین عین اتباع ارشادات انبیاء و رسل ہے کیونکہ ہر اک امام اپنی اپنی تحقیقات و معلومات میں من حیث اولہ شریعہ حق پر ہے اور بدیں لحاظ امام اپنے جملہ عقائد و اعمال میں متبع حق ہے کیونکہ مجتہد یا تو احکام و مسائل اخذ کرے گا۔ کتاب و سنت و اجماع سے تصریحاً و تحریحاً یا استدلال کرے گا اجتہاد سے تو بہر حال وہ مطیع الرسول و متبع حق ہو۔ پس جو شخص متبع حق ہو اس کی اتباع فرض ہے کیونکہ وہ اتباع حق ہے والحق احق ان يتبع۔

سوال: اتباع اگر فرض ہے تو سب متبعین حق کی نہ صرف ایک ہی کی۔

جواب: اس سوال کا جواب امر دوم و ششم میں گذرا ہے۔ امر پانزدہم میں آتا ہے مگر فی الجملہ کچھ عرض یہاں بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ سب متبعین حق کی اتباع فرض ہے۔ مگر ایک کی بھی تو فرض ہوئی۔ مثلاً جیسا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ایک بھی تو فرض ہے۔ یا جیسا اقيموا الصلوة واتوا الزکوة میں سب پر نمازیں فرض ہیں۔ ایک پر بھی تو فرض ہے پس جس طرح ایک نماز کے وقت پانچوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے یا ہر اک نماز سے قدرے قدرے حصہ لے کر ایک نماز بنا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح سب مذاہب ملا کر عمل کرنا یا ہر اک مذہب سے چن چن کر حسب غشاء مسائل پر عمل کرنا سخت منع ہے بالا جماع۔ سیاقی بیانہ انشاء اللہ۔ جس طرح ایک نماز کے وقت دوسری فرض نہیں جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آئے دوسری فرض نہیں۔ مثلاً صبح کو ظہر و عصر کی نماز فرض نہیں اور مغرب کو صبح و عشاء فرض نہیں۔ اسی طرح ایک امام کی تقلید کے وقت دوسرے کی تقلید منع ہے۔

امر ہشتم: حدیثوں میں بار بار آیا ہے کہ نماز میں وہ شخص امام ہو جو تقی و فاضل و عالم ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

يوم القوم افقههم في الدين واعلمهم بالسنة (الحديث مشکوٰۃ)

یعنی امام وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہو۔ اگرچہ اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں مگر اعلم و فاضل کے ہوتے ہوئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کتب فقہ و مظاہر حق میں خوب تشریح موجود ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر قسم کے متقی و بزرگ و قاری و بوڑھے و مہاجرین موجود تھے۔ مگر پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ينبغي لاحد ان يوم القوم و فيهم ابوبكر (رداء الترمذی)  
یعنی جس جماعت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہو تو اور کوئی دوسرا شخص امام نہ ہو یعنی  
ابوبکر ہی امام ہے۔

اب ہر ایک عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ قوم میں سے اعلم کو امام بنانے سے کیا  
مرضی ہے کہ ایک ہی امام کافی ہے اور یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ جب نماز کے واسطے  
جو صرف وقتی اقتداء ہے۔ اعلم و افتقہ کی شرط ہے تو دینی معاملات و عقائد و ایمانیات وغیرہ  
میں تو زیادہ تر اعلم و افتقہ کی اتباع واجب ہے۔ دیکھو باوجودیکہ اکثر صحابہ کرام علوم و عقائد  
و فرائض سے واقف اور شرافت و کرامت پر فائز تھے مگر ان کی موجودگی میں پھر بھی ایک  
صدیق اکبر کو امامت کا حکم دیا اور ماسوائے ان کے اوروں کو منع فرمایا۔ پس اسی طرح  
تمام علماء کے بالمقابل ایک امام الائمہ سراج الائمہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعلم و افضل و  
اکمل ہیں۔ پھر ایسے امام العالم کو چھوڑ کر ترجمہ خوان مشکوٰۃ مولویوں یا تفسیر محمدی کے  
تخصیل یافتوں کے پیچھے لگ جانا کس قدر نالائق ہے۔ بلکہ جو لوگ اماموں کے دشمن  
اولیاء کے دشمن اُن کی غلطیاں نکال کر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے لوگوں سے اگر  
اتفاقاً کچھ بھی نکل جائے تو ہرگز ہرگز باور نہ کریں کیونکہ شاید بظاہر ہی ہو اور فی الاصل غلط  
اور بد باطن بد گو بد بین بد عقیدہ کا کچھ بھی یقینی نہیں (دیکھو مقدمہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۲  
اور داری جلد اول صفحہ ۵۹ وغیرہ)

امر نہیم: جبکہ امامان دین و حضرات مجتہدین حقائق و دقائق قرآنیہ و اسرار و نکات احادیث  
نبویہ کے منظر دہمین ہیں تو بدیں لحاظ ان کی تقلید کے واسطے دلیل شرعی و نص قطعی کا طلب  
کرنا سراسر سفاہت و بلاہت ہے۔ کیونکہ حصول اسرار و مقاصد قرآنیہ و ارشادات احمدیہ  
صلی اللہ علیہ وسلم تو موقوف ہوا اتباع تحقیق مجتہدین پر اور اتباع مجتہدین موقوف ہوا اذلہ

شرعیہ پر تو اس صورت میں دور لازم آیا اور دور و تسلسل ہے جو ثابت ہو وہ حجت نہیں۔ پھر  
ہم سے دلیل شرعی تقلید پر کیوں طلب کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تقلید مجتہدین بھی  
عقلاً واجب ہے اور ثبوت اس کا مثل ثبوت مسائل ایمانیہ و اعتقادیہ کو جو سب حائزہ و  
تعالیٰ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و الحشر و النسر و مثلہم کے ہے۔ پس یہ  
مسئلہ (تقلید) ثابت ہوا مثل مسائل ایمانیہ و اعتقادیہ کے اور نہ لازم ہوا ثبوت اُس کا  
اولہ شرعیہ سے بدیں وجہ کہ مسائل شرعیہ کا ثبوت موقوف ہے اتباع آئمہ دین پر اور  
مسائل کی تحقیق و تصدیق کا دار مدار ہے تقلید و امامان دین پر اور بس۔ ہاں اگر اولہ نہیں تو  
صرف مزید تاکید کیلئے نہ یہ کہ موقوف علیہ تقلید قرار دیئے جائیں۔

امر دہم: امامان اربعہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کے چار صوبے ہیں اور  
چاروں ریاستوں کی رعایا پر احکام مختلفہ حسب مناسبت ملک جاری ہیں تو احکام  
اختلافیہ میں رعایا پر چاروں صوبوں کی اطاعت لازم نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کی گرفت  
ہے کہ تم نے ہر ایک صوبہ کی اطاعت کیوں نہیں کی۔ بلکہ اُسی حاکم و صوبہ کی اطاعت  
واجب ہے جو اپنی رعایا پر حکمران ہے اور اپنی ملکی حدود کا فرمانروا ہے۔ کیونکہ ہر ملک و  
ہر اک شہر کے قوانین و احکام جدا اور ہر تحصیل و ضلع کے حدود و فرمان جدا ہیں اور ملکی  
رعایا کے قواعد علیحدہ اور جنگی و فوجی قوانین علیحدہ۔ پس نظریہ میں اختلاف ایک حالت  
ایک حیثیت ایک وقت میں سب حکام کے تابع ہونا نہایت دشوار بلکہ محال ہے۔ ہاں  
ایک حاکم وقت موجودہ کی اطاعت لازم و آسان ہے اور اس ایک ہی حاکم وقت کی  
متابعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح مذاہب مجتہدین کی تقلید و اتباع عین  
اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امریا زہم: جس قدر تمام دنیا کی آبادی اور بلا و امصار کی تعداد ہے۔ اُن سب میں

سے دو تین بستیاں (مکہ مدینہ و بیت المقدس) افضل و اقدس و اعلیٰ ہیں جن میں قرآن نازل ہوا۔ وہیں پر حضور علیہ السلام کا وجود مبارک پیدا ہوا اور وہاں پر صحابہ کرام و اہل بیت عظام ہوئے۔ وہاں پر ہی زیادہ اہل خیر القرون ہوئے۔ وہیں پر قیامت تک دین رہے گا اور وہیں پر مہدی علیہ السلام پیدا ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ تو معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندے سچے پکے مسلمان ہیں اور دیندار ہیں گے۔ باوجود اس قدر افضل و اعلیٰ و متدین و صالح و عالم ہونے کے اور زیر سایہ انبیاء کرام علیہم السلام رہنے کے اور بلد امن میں سکونت پذیر ہونے کے سب کے سب مقلد ہی ہیں۔ ایک بھی غیر مقلد نہیں اور خود شخصی تقلید پر عامل اور فتویٰ بھی شخصی تقلید کے وجوب پر اور غیر مقلدوں کو سخت بدتر و مردود جانتے ہیں۔ علاوہ ازیں کل اسلامی دنیا مثل روم و شام و مصر و یمن و بغداد و بلخ و بخارا و افغانستان و تاجکستان و سندھ و کشمیر و پنجاب وغیرہم کے قاضی۔ مفتی و عالم و مدرس و واعظ و صوفیاء و مشائخ سب کے سب مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو دشمن دین و مفسد فی الدین جانتے ہیں۔ ایسا ہی مرزا یوں و منچریوں کو جانتے ہیں۔ پس ان علماء دین و فضلاء کالمین و مفتیان شرع متین کا اجتماع قوی و فطی سے ثابت ہوا کہ ان کل کے نزدیک ہر قسم کی صلاحیت و احسان اور رشد و ہدایت تقلید میں موجود ہے۔ پس اس اتفاق و اجتماع کو توڑنے والا ضرور مفسد و گمراہ ہوگا۔

حسب الارشاد لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها

کیونکہ صد ہا احادیث میں وارد ہوا ہے کہ امت محمدیہ ہرگز ہرگز گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

امر و ازروہم: عقائد اسلامیہ و مسائل ایمانیہ کو قرآن کریم نے اجماعاً بیان کیا جن کی تفسیر حدیث نے خوب فرمائی اور احادیث کی تشریح و توضیح حضرات صحابہ کرام کے اقوال و افعال سے ملتی ہے اور آثار و اقوال و احوال صحابہ کی تصدیق و تصحیح حضرات ائمہ مجتہدین کے اجتہاد و تحقیق پر موقوف ہے اور موقوف علیہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے موقوف پر۔ پھر جب

ائمہ مجتہدین موقوف علیہم ہوئے تصدیق و تحقیق میں تو تقلید مجتہدین واجب ہوئی تاکہ دین لے کامل ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ اس بیان کی تفصیل یہ ہے کہ نہ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں کوئی کتاب تصنیف ہوئی، نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کوئی کتاب تیار ہوئی۔ کیونکہ ان کو رات دن جہاد سے فراغت نہ تھی اور نہ چنداں تالیف کی ضرورت ہے۔ باقی آیا دوسرا قرن تابعین کا جس میں حضرت امام العالم امام اعظم کا وجود مبارک پیدا ہوا تو اس وقت اگرچہ ایک آدمی کتاب بھی مکر شہرت و اشاعت میں نہ آئی اور نہ وہ کافی تھی۔ پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قوت کاملہ خدا داد سے بدلائل شرعیہ استنباط و اجتہاد کے صاف طور پر مسائل اصولیہ و فروعیہ کو لکھوانا شروع کیا۔ جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ و اجتہاد نے اپنی صداقت و روشنی عام پر ظاہر کی تو دوسرے اماموں نے جو آپ کے ہم عصر یا بعد ازاں ہوئے آپ کی تقلید کی۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے اہل علم نے امام ہمام کے سامنے اپنا سر خم کر کے تسلیم کر لیا۔ بعد ازاں تیسرا قرن آیا تو اس وقت کے حضرت ائمہ نے بھی وہی طرز تحریر امام صاحب کی شروع کی۔ مگر علم فقہ شریف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا پایہ وہ بلند ہوا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرمانا ہی پڑا ”الناس کلہم عنیال ابی حنیفۃ فی الفقہ“ یعنی سب لوگ فقہ شریف میں امام ابی حنیفہ کے عیال (شاگرد یا پیچے) ہیں اور جب امام صاحب کے شاگردوں نے کتابیں لکھنی شروع کیں تو پھر دیگر ائمہ کی بھی تصنیفات ہوتی گئیں۔ یہاں پر یاد رہے کہ اگرچہ دیگر حضرات نے اپنے اپنے تحقیق و تصدیق کردہ مسائل کی کتابیں تالیف فرمائیں مگر بہ نسبت قرن ثالث کے (جس میں امام شافعی وغیرہ تھے) دوسرا قرن (جس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے) افضل و اقدم و اسبق و قابل اتباع ہے۔ کیونکہ حدیث

لے دیکھو شرح مسلم امام نووی جلد اول ص ۵۴۔



شریف کی ترتیب سے قرن ثانی بہتر ہے۔ قرن ثالث سے اور برتر ہے خیریت و فضیلت میں۔ یہی وجہ ہے کہ مقلدین مذاہب اربعہ میں سے ۹۰ فیصدی تو حنفی مقلد ہیں اور باقی دیگر آئمہ کے۔

چنانچہ ملا علی قاری نے خوب بیان کیا ہے پس حسب الارشاد فاسبقوا الخیرات حضرت امام ہمام ابو حنیفہ کا متابعت کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے بہ نسبت دیگر آئمہ کے۔ کیونکہ آپ افضل و اکمل و اقد و اعلم بہ نسبت قرن ثالث کے اور تقریباً کل محدثین و مجتہدین آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کی تقلید بہ نسبت دیگر آئمہ کے افضل ہے۔

امریز دہم: بعد از قرن ثالث وہ زمانہ آیا جس کی نسبت حدیثوں میں بار بار وارد ہوا ہے ثم یظہر الفساد۔ ثم یفسدوا الکذب۔ یعنی بعد از تیسرے قرن کے جھوٹ و فتنہ و فساد پھیلے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں بڑے بڑے واضعین حدیث و کاذبین اخبار و متعن بین الناس پیدا ہوئے اور خرابی پھیلی اور لطف یہ کہ ایسے موقعہ زمانہ میں دیگر بزرگ جماعت محدثین کے مثل بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ بھی پیدا ہوئے۔ یہ حضرات اگرچہ مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ تھے اور نہ مجتہد کامل تھے مگر تاہم انہوں نے کمال جانفشانی و عرق بریزی سے بہ نیت صادق و تائید حق و بغرض نصرت دین بہت ہی تحقیق و تفتیش سے کتب احادیث تیار کیں۔ لیکن پھر بھی اس جماعت مذکورہ کی تحقیقات قرن ثالث و ثانی کو نہ پہنچی کیونکہ قرن ثالث قریب زمانہ صحابہ سے اور قرن ثانی اقرب تھا زمانہ نبوت سے بلکہ محققین کے نزدیک تو امام صاحب کی ملاقات صحابہ سے ثابت ہے۔ پس اس بیان مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ زیادہ تر بہتر امام صاحب کی تقلید کرنا ہے اگر کوئی اور امام کا

ان دیکھو انصار الحق اور معیار الحق از مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری مرحوم و مغفور

مقلد ہے تو اس کو وہی پس ہے۔

امریز چہار دہم: اگر کوئی جاہل متعصب حضرات آئمہ اربعہ کی تحقیقات و تصدیقات پر کار بند نہ ہو اور مجتہدین کا ملین کا قبیح نہ ہو تو لامحالہ کسی نہ کسی اور محدث یا مفسر و اہل علم کا قبیح ضرور ہوگا۔ پس جبکہ کسی اور اہل علم کا قبیح ہوگا تو کیا وجہ ہے کہ امامان مجتہدین کا ملین (جو احق بالاتباع ہیں) کی تقلید نہیں کرتا۔ حالانکہ از روئے قرآن و حدیث کے بعد از کتاب و سنت مجتہد کا مرتبہ اور مجتہد سب سے افضل ہے۔ محدث تو صرف ناقل و سامع ہوتا ہے اور مجتہد کو تو استنباط و قوت تفقہ حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد باوجود خطی ہونے کے بھی ایک نیکی کا مستحق اور بحالت صواب و اجازت سے ماحور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ اربعہ مجتہدین کی تقلید پر اجماع ہوا نہ کسی عام محدث کی تقلید پر۔ کیونکہ مجتہد جامع ہے مسائل اصولیہ و اعتقادیہ و فردیہ و اجتہادیہ کا بخلاف محدث کہ وہ صرف جامع الفاظ ہے۔

امریز دہم: مسائل اسلامیہ تین قسم پر ہیں۔ اول نصی، دوم اجماعی، سوم اجتہادی۔ مسائل نصی تو عند الکل مسلم ہیں اور مسائل اجماعی بھی بالاجماع واجب الاتباع و القبول ہیں۔ باقی رہے مسائل اجتہادیہ سو وہ مختلف فیہ ہیں۔ اب انسان کے واسطے ایسے موقع پر تین حالتیں ہیں۔

(۱) یا تو وہ اگر مجتہد مسلم ہے تو قوت اجتہادیہ و تفقہ سے کام لے کر خود ہی فیصلہ کرے گا۔

(۲) یا وہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرے گا۔

(۳) یا کبھی ایک مذہب پر عمل کرے کہ اس کو ترک کرے گا۔ پھر دوسرے مذہب کو پکڑے گا پھر اس کو چھوڑ کر تیسرے کو پکڑے گا۔ علیٰ ہذا آزاد ہو جائے گا۔

حالانکہ خدا فرماتا ہے:



ایحسب الانسان ان يتروك مسدی (پارہ ۲۹، سورۃ التیمۃ، آیت ۳۶)  
یعنی کیا انسان آزادتر بے مہار بننا چاہتا ہے۔

اب اس تیسری صورت کا نتیجہ نہایت ہی گندہ و بدبودار اور مبداء فساد ہے  
کیونکہ کبھی ایک چیز کو حلال سمجھ کر کھائے گا پھر اسی کو حرام جان کر ترک کرے گا۔ یا جس کو  
پہلے حرام سمجھ کر ترک کرے گا پھر بوقت حلال جاننے کے اس کی حرمت کا بھی دل میں  
شک و شبہ رہے گا اور جس کو پیچھے حرام جانے کا اس کے حلال ہونے کا بھی دل میں خیال  
پیدا ہوگا۔ یہ اجتماع تقیہین ہے جو کہ بالاتفاق باطل ہے۔ مثلاً کبھی تو ایک مذہب کے  
موافق امام کے پیچھے قرأت فرض واجب سمجھے پھر بعد مذہب حق اسی کو مکروہ و منفسد فی الصلوٰۃ  
خیال کر کے ترک کرے یا کبھی ایک مذہب کے موافق رفع الیدین فی الصلوٰۃ وضع  
الیدین علی الصدر آئین بالجہر کو سنت سمجھ کر عمل کرے گا پھر بخیاں ثانی ان سب کو مکروہ و  
خلاف سنت سمجھے گا یا کبھی ایک امام کے مطابق تکبیر و نصد و خون جاری سے منفسد الصلوٰۃ و  
ناقص الوضوء خیال کرے گا پھر اس کو بخیاں دیگر امام بخیرہ الصلوٰۃ خیال کرے گا۔

ف: حنفی مذہب میں خون جاری سے (خواہ نکسیر ہو خواہ فصد یا چوٹ وغیرہ) وضو ٹوٹ  
جاتا ہے اور بے وضو ہو جاتا ہے۔ بے وضو نماز پڑھے تو خوف کفر لکھا ہے۔

یا کبھی ایک امام کے موافق وہ پانی قلعین (جس میں کتا، بلا، سور وغیرہ مرگیا ہو)  
پاک خیال کر کے اس سے وضو غسل کر کے نماز پڑھے گا اور کبھی اسی پانی سے غسل کرنا  
حرام سمجھے گا۔

ف: اسی پانی سے جب امام وضو غسل کر کے نماز پڑھائے تو حنفی کی نماز اس کے پیچھے  
نا جائز ہے۔ یا کبھی ایک جانور مانند گویہ و مینڈک وغیرہ کو ایک مذہب میں حلال سمجھ کر

۱۲ دیکھو ہمارا سالہ رحمۃ الرحمن فی تقلید العثمان

کھائے پھر حنفی مذہب اقدس کے موافق ان کو مکروہ یا حرام جانے گا۔

غرض کہ تقلید کے ترک کرنے سے صد ہا ہزار بار کچھ کا فتنہ و فساد پڑتا ہے۔ اسی  
واسطے خاص سلطنت انگریزی میں جس قدر لاندہوں، لحدوں، زندیقوں، عیسائیوں کی  
ترقی ہے اس قدر اور کہیں نہیں۔ اور آج جس قدر دہریہ طبعی ہنچری مرزائی نظر آتے ہیں  
ان سب کا صرف یہی ایک باعث ہوا۔ یعنی ترک تقلید شخصی۔ اور قاعدہ مقررہ ہے کہ  
جب تک انسان کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا بے شک شیطان اس کو نہیں چھوڑتا کیونکہ  
جماعت پریدہ اللہ ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین مثل بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ  
سب مقلد تھے۔ (دیکھو رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ)

امر شازدہ ہم: عامی کی مثال ایک مریض کی ہے اور مجتہد کی مثال مانند ایک سول سرجن یا  
بڑے افلاطون کے ہے اور محدثین کی مثال ایک بڑے دوائی خانہ یا عطاری کی ہے۔ تو عامی  
مریض کو دیکھنا، تشخیص کرنا، علاج و معالجہ کی تجویز بنانا اور منوعات سے پرہیز و اشیاء مفیدہ  
کی اجازت اور ہر اک چیز و حرکت کا اندازہ وغیرہ۔ یہ سب مجتہد و مرشد کا کام ہے اور  
دوائی خانہ سے دوا دینا حسب الحکم ڈاکٹر یہ محدث کا کام ہے۔

ڈاکٹر و حکیم کے حکم کے موافق پابند ہو کر علاج کرانا یہ عامی مریض کا کام ہے۔  
پس جب یہ ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی قانون مستمر ہے کہ جس مریض کے چار معالج مثلاً:  
ایک ڈاکٹر یورپین ایک حکیم یونانی ایک ویدکدہیسی ایک سنیاہی۔ تو بوقت علاج معالجہ ضرور  
ان کا باہمی اختلاف ہوگا۔ خواہ بلحاظ تشخیص و تجربہ خواہ بلحاظ دوا و خوراک کیونکہ ہر ایک کے  
معلومات و تجربات جدا اور ہر ایک کی تحقیق و ذہانت طبعی علیحدہ ہے پس ایسے موقع پر  
مریض نے اگر ایک ہی شخص کا علاج کیا تو بہتر و درندہ ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح جو شخص  
بوقت اختلاف مجتہدین ایک کا مقلد رہے گا تو نجات پائے گا۔ اگر ایک کا نہ رہا بلکہ سب کا

مقلد بن گیا یا از خود نیا طریقہ ایجاد کیا تو پھر ایمان کا ملنا مشکل آخر مرزائی نے نیچری وغیرہ ہو کر مرے گا۔

امر ہفدہم: بعد از اقرار توحید و رسالت ایماندار کو الحاق بالصالحین و اتحاد بالا برادر واجب ہے چنانچہ آیت توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین ط (پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۱۰) کو توفنا مع الابرار ط (پارہ ۲، سورۃ آل عمران آیت ۱۹۳) اس پر شاہد ہے۔ اب اس الحاق کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو تقلید مجتہدین، دوسرا بیعت مشائخین، چنانچہ تفسیر عزیزی میں بذیل آیہ ولا تجعلوا اللہ اندادا لکھا ہے ”اطاعت مجتہدین و مشائخین فرض است“۔ یہی وجہ ہے کہ کل اولیاء اللہ مقلد و تابع تھے۔ کوئی ولی بے پیرو غیر مقلد نہ تھا نہ اب کوئی ایسا ہے پس ثابت ہوا کہ الحاق بالصالحاء سے انسان پختہ مومن بن جاتا ہے۔ لہذا سب کو لازم ہے کہ بیعت مشائخین کر کے روح و قلب و نفس کی اصلاح کرے اور تقلید مجتہدین کر کے مسائل شرعیہ کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنے اعمال و افعال ظاہری کو درست و آراستہ کرے۔ ہاں جو شخص مجتہدین میں سے افضل و اعلم واقف ہو (جیسے امام اعظم) اُس کی تقلید بہت بہتر و آسان ہے اور جو شخص مشائخین میں سے اکل و اعلیٰ و اقرب الی اللہ ہو ان کی بیعت زیادہ تر مفید و اہل و نفع ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ کہ اس احقر الانام راقم الحروف کو دونوں نعمتیں مذکورہ حاصل ہیں۔ اللہم حشر قلبی بنار عشقک اہدا یا اللہ بحر متہم۔

امر ہشتم: یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح اسلام مقدس عبارت ہے اُن امور و حکام و ارشادات سے جن کو امت نے (اعنی فقہاء و مجتہدین و صلحاء کا طین و ۱۲ مرزا ایک شخص دشمن اسلام و حجاب میں تھا۔ اپنے آپ کو نبی و رسول و مسیح و مہدی و مجدد و امام حسین و غوث اعظم سب سے بہتر جانتا تھا۔ آخر بے چارہ ۲۹ مئی ۱۹۰۸ء کو نہایت بُری موت۔

صادقین نے) بعد از تحقیق و تنقیح و تصدیق کے ثابت کیا ہے۔ یعنی بعض احکام و امور اور بعض افعال و اقوال کو منسوخ و موقوف و متروک و موضوع و ضعیف قرار دے کر اصلی احکام و ارشادات کو ثابت کر کے اسلام کو بے داغ و الزامات سے بری کر کے صحیح دکھایا ہے تا کہ مخالفین اسلام کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں۔ پس اب جو کوئی دشمن اسلام بعض امور متروک و ضعیفہ کو دیکھ کر کہے کہ اسلام عیب دار یا غلط ہے تو وہ مردود و قول اُس کا مردود ہے۔ اسی طرح مذہب حنفی مقدس بھی عبارت ہے مسائل مفتی بہ و معمولات علماء امت سے جو کہ بعد از جرح و تعدیل اور بعد از تصحیح و تکمیل و توضیح و تفصیل منقح و مرجع اور محقق و مصدق ہو چکے ہیں۔ اسی کا نام مذہب حنفی ہے۔ جس قدر اقوال صاحبین کے ہیں وہ فی ذلالتہ اُن کے نہیں بلکہ وہ بھی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہی اقوال ہیں۔ (یکھو ص ۴۷ بذیل جواب اتر کو اقوال) پس اب جو کوئی شخص دشمن امام العالم کی ضعیف روایت یا مرجع و منسوخ قول کو دیکھ کر کہے کہ مذہب اقدس حنفی غلط ہے تو وہ بھی مردود و اور اُس کے اقوال و اعمال بھی مردود۔ (نعوذ باللہ منہ)

امر نوزدہم: قرآن کریم نے سکھایا ہے کہ جب کسی نیک بندہ عالم با عمل کی خدمت میں بغرض حصول علم حق اطاعت اختیار کی جائے تو اس کا مقلد بن کر یا مرید بن کر اس پر اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ مقلد یا مرید بن کر اگر معترض ہوگا تو نتیجہ اُس کا حرمان و بعد ہوگا اور مقاصد اصلی و خزان الہی سے محروم رہے گا۔ ع..... ”بے ادب محروم گشت از لطف رب“

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا کہ ایک بندہ خدا کا ایسا ہے جس کو خدا نے علم لدنی عطا فرمایا ہے تو ان کے ملنے کے واسطے سفر طویل اختیار کیا۔ جب خضر علیہ السلام سے ملائی ہوئے تو حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا (پ ۱۵، الکہف آیت ۶۶)

یعنی کیا میں تابع ہو جاؤں آپ کا اس پر کہ مجھے وہ علم عنایت کر دو جو آپ کو تعلیم کیا گیا ہے از قسم ارشادات و ہدایت کے۔

حضرت علیہ السلام نے جواب دیا:

انک لن تستطیع معی صبرا (پ ۱۵، الکہف، آیت ۶۷)

یعنی اے موسیٰ آپ میں میرے ساتھ رہ کر متابعت کرنے کی طاقت نہیں کیونکہ تقلید تو بڑی بہادری و ہمت کا کام تھا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو بہادری کا ثبوت دے کر تقلید کا اقرار یوں کیا:

ستجدنی انشاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا (پ ۱۵، الکہف، آیت ۶۹)  
یعنی خدا چاہے تو میں آپ کے اقوال و افعال پر صبر کر کے بال سوال کسی بات میں نافرمانی نہ کروں گا۔ یعنی پکا مقلد بنوں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پھر دوبارہ یہ شرط کرائی جو ہر ایک مقلد کے واسطے ضروری ہے یعنی

فان اتبعنی فلا تستلنی عن شی حتی احدث لک منہ ذکرا

(پارہ ۱۵، الکہف، آیت ۷۵)

یعنی اے موسیٰ اگر تم میری تابعداری کرنا چاہتے ہو تو میرے کسی کام پر سوال و اعتراض نہ کرنا جب تک خود میں بیان نہ کروں۔

یہ شرط اس لئے کرائی گئی کہ اکثر قاعدہ ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس پر آدمی گھبرا جاتا ہے اور جھٹ اعتراض و مخالفت پر کھڑا ہو کر تقلید سے باہر ہو جاتا ہے اور یہ سخت مضرو نقصان دہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس شرط پر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ سفر انہی معنی تقلید کے ہیں کیونکہ اتباع بلا دلیل بلا روک ٹوک بلا تحقیق و تفتیش کا نام تقلید ہے اور یہی شرط حضرت خضر علیہ السلام نے فرما کر وعدہ لے لیا۔

اختیار کیا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام معترض ہوئے اور خضر علیہ السلام نے ان کو ان امور کی حقیقت بیان کر کے فرمایا جو کام میں نے کئے وہ بحکم خدا تھے۔ میرا ذاتی کام نہ تھا اور میری تمہاری جدائی و علیحدگی کا باعث صرف یہی اعتراضات ہوئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی قدر دانا و دور اندیش اور رسول اعظم تھے کہ پہلے ہی لفظ انشاء اللہ کہہ کر وعدہ خلافی کے وعید سے بچ کر چلے گئے۔ ماسوائے اس کے وہ مرسل و صاحب کتاب و کلیم اللہ تھے اور خضر علیہ السلام کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔ لہذا وہ مورد عتاب نہ ہوئے کیونکہ جبکہ مجتہد کو اختیار ہے کہ کسی اور مجتہد کی تقلید کرنے یا نہ کرنے کا تو مرسل کو بطریق اولیٰ اختیار ہے۔ لیکن پھر بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا رحم کرے موسیٰ علیہ السلام پر کہ اگر سکوت و خاموشی اختیار کرتا تو بہت سے عجائبات الہی معائنہ کرتا اب اسی قصہ سے کئی امور پیدا ہوئے۔

(۱) جس شخص کو اپنا امام یا پیر بنائے تو اس کی پوری متابعت کرے۔

(۲) اس کے کام پر اعتراض نہ کرے اگر ضرورت پڑے تو مؤدبانہ مخلصانہ طریق سے عرض داشت کر کے جیسا جواب ملے سن کر چپ ہو رہے اگر نہ سمجھے تو اپنا قصور فہم سمجھے۔

(۳) اس قسم کے اتباع میں صد ہا فوائد ہیں جو اور کسی طریق سے حاصل نہیں ہوتے

(۴) جب کسی کو اپنا امام یا شیخ سمجھے تو اس کی مخالفت و مقابلہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ

اس بزرگ کی برکات اور فیوض و امداد سے محروم رہ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

(۵) جبکہ نبی اقرب مرسل اعظم موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط کرائی گئی تھی کہ مجھ سے

میرے کاموں کے متعلق اعتراض سوال نہ کر کہ یہ کام چون اور چرا ہے۔ پھر

عوالم جبلا یا تفسیر محمدی کے تحصیل یافتوں کو کب جائز ہے کہ امام حق کی تقلید کر



کے پھر ان کے فیصلہ جات و معاملات پر باغیانہ اعتراض کریں۔

(۶) جیسا نبی اور امتی کا مقابلہ و مباحثہ جائز نہیں ویسا ہی مقلد و مجتہد یا طالب و شیخ کا مقابلہ جائز نہیں۔ یہی طریق حضرات علماء صاوقین و صوفیاء صالحین کا برابر چلا آتا ہے۔ چنانچہ عوارف شریف اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے۔

امر بستم: خدا نے اس دین کا نام اسلام رکھا ہے۔ اسلام کے معنی گرویدہ شدن و باور کردن و قبول و تسلیم نمودن۔ اور اسلام نے جو امورات ارشاد فرمائے ہیں ان میں بھی یہی تسلیم و قبول کی خوش بو پائی جاتی ہے۔ مثلاً اولاد اپنے والدین کی پابند رکھنا یا اپنے بادشاہ کے حکم پر پابند، عورت اپنے خاوند کی پابند، مقتدی اپنے امام کے پابند، قافلہ اپنے رہبر و رہنما کا پابند، جاہل اپنے عالم کا پابند، غلام اپنے مولا کا پابند، غیر مجتہد اپنے مجتہد کا پابند، فوج اپنے سردار کے پابند، مریض اپنے حکیم کے پابند، وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام پابندی سکھاتا ہے نہ آزادی، انگریز جب اول ہندوستان میں آئے تو دیکھا کہ مسلمان اپنے احکام و امورات مذہبی کے سخت پابند ہیں تو ان کو آزادی پر قائم کرنا چاہیے اور خوب عہدگی سے آزادی دے دی اور غیر مقلد بنانا شروع کیا اور سب سے زیادہ اس میں علی گڑھی نیچری نے حصہ لے کر بہت اہل ایمان کو برباد کیا۔ یہاں تک نوبت نیچریوں کی آئی کہ نبی برحق کی تقلید کو ترک کر کے آزاد ہو گئے جیسے کہ عیسائی فرقہ نے اپنا اصلی دین و مذہب (جو حضرت مسیح علیہ السلام چھوڑ گئے تھے) ترک کر کے نیانذہب از خود ایجاد کر کے اس کا نام دین مسیحی رکھا ہے۔ اسی طرح نیچریوں نے بھی نیا دین تیار کر کے اصلی دین کو نہ صرف چھوڑا بلکہ اصلی اسلام کو کفر سے دیکھتے ہیں۔ مولوی نے اسماعیل

لہذا یہاں تک کہ جو بھندی و گنگوہی جو مائے نام مثنیٰ ہیں وہ بھی ایسے لوگوں کے دام میں آ کر نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے۔

اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و مولوی نذیر حسین دہلوی کو تو بہانہ کافی تھا انہوں نے اور بھی متانت سے خلق اللہ کو گمراہ کر کے غیر مقلد بنایا۔ یہ فرقہ اس حد تک بڑھ گیا کہ اب حدیثوں کو مسخری کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام اب چکڑالوی بھی رکھا جاتا ہے۔ پناہ بخدا۔ ایک لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی غیر مقلد کو کسی نے کہا کہ بالفرض اگر تمام انبیاء حضور علیہ السلام کے وقت موجود ہوتے تو اس وقت کیا کرتا۔ کیونکہ اس وقت تو صرف ایک حضور علیہ السلام کی ہی تقلید کافی تھی تو جواب دیا کہ میں تو نبی کی تقلید کو بھی برا سمجھتا ہوں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اب دیکھئے کہ غیر مقلدوں کی حالت کہاں پہنچی ہے۔ خدا سب کو امامان دین کا پکا پکا مقلد بنائے۔ (آمین)

اے ناظرین! یہ ۲۰ سورت امور جو بطور مقدمہ عرض کئے گئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح بار بار پڑھ کر ذہن نشین کر کے اصل مسئلہ پر غور کرو۔

=====

### اصل مقصود

اگرچہ بیانات مذکورہ تقلید کے متعلق کسی ذی فہم و نیک نیت پاک طینت کو شک و شبہ نہ ہوگا مگر چونکہ بعض سادہ لوحوں کو غیر مقلد صرف ترجمہ بعض آیات کا دکھا کر بتاتے ہیں کہ دیکھو اس میں تقلید کا رتہ ہے اور تمہارے پاس وجوب تقلید کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اگرچہ تو دکھاؤ لہذا چند اولہ لکھی جاتی ہیں۔

### تقلید کے وجوب پر پہلی دلیل

قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يُدْعُوا كَلَّ اَنَاسٍ بَا مَآمِهِمْ (پ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۱)



یعنی جس دن پکاریں گے ہر اک شخص کو اُس کے امام کے ساتھ  
تفسیر بیضاوی میں ہے:

ای بمن التمواہ من نبی او مقدم فی الدین

اور یہی عبارت ہے، ہدایک شریف میں۔ یعنی امام خواہ نبی ہو یا مقتداۓ دین و مطاع  
حق تفسیر معالم میں ہے:

عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس قال با امام زمانہم الذی دعا  
ہم الی ضلالۃ او ہدیٰ و عن سعید ابن المسیب کل قوم یجتمعون الی  
رئیسہم فی الخیر و الشر۔

تفسیر جینی میں ہے:

یا مقدمیکہ در مذہب او متابعت او نمود باشند۔ چنانچہ نذازند یا شافعی۔ یا حنفی۔ دوریں باب  
از علی مرتضیٰ نقل میکند کہ در اں روز ہر قومی را بخوانند یا امام زمان ایشان

یعنی ہر اک انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ یہی مضمون ہے تفسیر  
کبیر اور نیشاپوری اور ابوالسعود وغیرہ میں۔

اور دقائق الاخبار عربی صفحہ ۲۶ مطبوعہ مصر ۱۲۳۰ھ میں ایک حدیث یوں ہے:

اذ کان یوم القیمۃ ینصب لواء الصدیق لابی بکرن الصدیق رضی اللہ عنہ  
و کل صدیق یکون تحت لوائہ و لواء الشہادۃ لعلی و کل شہید تحت  
لوائہ و لواء القورۃ لابی ابن کعب و کل قاری کون تحت لوائہ۔ الخ۔

یعنی قیامت کے روز ہر اک وصف کے لوگوں کا ایک ایک امام ہوگا اور اس  
کے ہاتھ اسی صفت کا ایک ایک جھنڈا ہوگا۔ صدیق اکبر کے ہاتھ صدق کا جھنڈا۔ حضرت  
علی کے ہاتھ شہادت کا جھنڈا اور قرآۃ کا جھنڈا حضرت ابی ابن کعب کے ہاتھ ہوگا۔ علی ہذا

اور بھی دوسرے خلفاء و صحابہ کرام کا ذکر ہے۔ پس جبکہ ثابت ہوا کہ ہر اک شخص اپنے  
اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا تو ہر اک انسان پر لازم ہے کہ کسی ایسے شخص کو نائب و  
امام مقرر کرے کہ جس سے تمام ضروریات دینی و برکات و فیوضات اسلام حاصل ہوں  
جیسا کہ آئمہ مجتہدین و صوفیاء مشائخین ہیں۔ ان کے ملنے ملانے سے انشاء اللہ قیامت کو  
ہر شخص سے نجات ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ آیت میں امام سے مراد محدثین و مفسرین نے کئی افراد لئے ہیں۔  
جیسا کہ نبی و کتاب و اعمال نامہ و ظل و امہات اور ہر اک نے اپنی اپنی جگہ حدیثیں و  
اقوال پیش کئے ہیں۔ تو موضع احتمال پر استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ سو جو اباعرض ہے کہ  
جب یہ احتمالات ہیں تو آپ صاحبان اس آیت کو کس طرح استدلال میں لائیں گے۔  
کیونکہ جتنے احتمال ہیں ان سے اگر مدعی ہوں تو آخر کیا آیت بیکار چھوڑی جائے گی۔ ہر  
گز نہیں بلکہ جو احتمالات ممکن الوقوع ہیں ان کا لینا جائز ہے ورنہ اعتراض سے تو خالی کوئی  
بند رہے گا۔ مثلاً کُلُّ انساں میں انبیاء بھی ہیں وہ کس کے نام سے بلائے جائیں گے۔  
امہات کی نسبت عرض ہے کہ جن کی ماں نہیں جیسا کہ آدم و حوا وغیرہ وہ کس کے نام سے  
پکارے جائیں گے۔ یا جو لوگ اہل کتاب بھی نہیں اور وہاں پر نبی بھی نہیں آیا یا وہ قوم کسی  
دین پر نہ گزری بلکہ قبل از ابلاغ و بلوغت مر گئے تو ان کا کیا حال ہے پس جس طرح وہ  
سب احتمالات باوجود مختلف ہونے کے درست ہیں تو اس طرح یہ بھی ممکن الوقوع ہیں۔  
چنانچہ امام ابو یوسف وغیرہ کا قول بھی اس پر شاہد ہے۔

حسبى من الخیرات ما عدوت یوم القیمۃ فی رضی الرحمن

دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذہب السعمان

یعنی قیامت کے دن خدا کے خوش کرنے کیلئے مجھے دو چیزیں کافی ہیں۔ ایک تو

دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا مذہب حنفی کا عقیدہ۔ (در مختار وغیرہ)

اور دیکھئے حضرت امام شعرانی ناکی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میزان میں فرماتے ہیں:  
ولما مات شيخنا الاسلام الشيخ ناصر الدين القاني رحمة الله عليه راه  
بعض الصالحين في الملكان فقال له ما فعل الله بك فقال لما اجلسني  
للكان ليستلان واتاهم الامام المالک فقال مثل هذا يحتاج الي سوال  
في ايمانه بالله ورسوله فتحيا عنه فتحي عني۔ ا۔

یعنی شیخ الاسلام میرے شیخ ناصر الدین نے جس وقت وفات پائی تو بعض  
اولیاء اللہ نے ان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟  
آپ نے جواب دیا کہ جس وقت منکر نکیر آئے اور مجھ سے سوال کیا ایمان کا تو ناگاہ  
حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ تعجب ہے ایسے شخص سے بھی ایمان کا  
سوال کیا جاتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو بھی اس سوال کی ضرورت ہے۔ چلے جاؤ۔ پس وہ  
دونوں چلے گئے۔

یہی امام شعرانی اور ایک دو مقام پر فرماتے ہیں:

ان الصوفية والفقهاء كلهم يشفعون في مقلديهم ولا حظون  
احدهم عند طلوع روحه وعند سوال منكر ونكير له وعند الحشر والنشر  
والحساب والصراط ولا ينفلون عنهم في موقف من المواقف۔ ا۔

واذ كان مشايخ الصوفية يلاحظون اتباعهم ومريد بهم في جميع  
الاحوال والشدائد في الدنيا والاخرة فكيف بائمة المجتهدين وهم ائمة  
المذاهب الذين هم اوتاد الارض و اركان الدين وامناء الشارع على امته  
فقطب نفسا يا اخي وقرعينا بتقليد كل امام ما شئت منهم۔ ا۔

یعنی جبکہ حضرات صوفیاء کرام اپنے مریدوں اور طالبوں کی شفاعت کرتے ہیں  
اور ان کے نگہبان ہیں اور مرنے کے وقت قبر میں سوال کے وقت قیامت میں حساب و  
کتاب دہل صراط کے وقت اپنے خادموں کی امداد و افاضہ کریں گے۔ تو حضرات مجتہدین  
تو ارکان دین اور امین امت اور دین کے امام ہیں۔ وہ تو بطریق ایسے کام کریں گے۔

مقلدوں کے حق میں پھر یہی امام شعرانی میزان میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ويا خلوا الائمة المجتهدين بيدهم في احوال القيمة فكل مجتهد راه  
هناك يتبسم وجهه وياخذ بيده بخلاف من كان بالضد من ذالك  
فانه ربما ينظر الائمة اليه نظر الغضب لسوء اذبه معهم و تعصبه عليهم  
بغير حق۔ یعنی امامان دین و مجتہدین اپنے اپنے مقلدوں پر راضی ہو کر ان کو دوزخ  
سے خلاصی دلوائیں گے اور منکر و غیر مقلد پر بوجہ بے ادبی کے غضب پڑے گا۔ علیٰ ہذا  
قیاس کئی بزرگان دین نے ایسا ہی مضمون بیان کیا ہے۔ غرض کہ لازم ہے کہ مقلد رہے۔

سوال: آیت مذکورہ میں تو یہ حکم نہیں کہ اماموں کی تقلید فرض ہے بلکہ یہ ایک خبر ہے اس  
سے وجوب کہاں ثابت ہے؟

الجواب: گو یہ خبر ہے مگر خبر سے مراد یا امر ہے یا نہیں۔ کیونکہ اخبار امام سابقہ و احوال  
انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے مقصود کیا ہے۔ یہی تو غرض ہوتی ہے کہ لوگ صالحین و مومنین  
کے حالات پڑھ کر احکام معروفہ و امورات حسنہ پر مضبوط و شائق ہوں اور کفار و فاسقین و  
مفسدین کے حالات سن کر منہیات و معاصی سے باز رہیں۔ اسی طرح یہاں بھی یہی  
مطلب ہے کہ قیامت کو ہر اک شخص اپنے اپنے امام کے ساتھ ہوگا تو اس امر سے اطلاع  
دی گئی کہ کل قیامت کو یہ نہ کہنا پڑے لو ان لنا كورة فنتبرأ منهم كما تبرأوا منا  
(پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۷) اور یا ليتني لم اتخذ فلانا

خلاصہ (پارہ ۱۹، سورۃ فرقان آیت ۲۸) اس لئے آج ہی سوچ کر ایسے شخص کے مقلد بنو کہ خدا اور رسول علیہ السلام کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جیسا کہ امانان دین مجتہدین اور مشائخ صادقین۔ اگر کہیں کسی وہابی یا نجری یا مرزائی کو اپنا گردنایا تو بس روزخ میں تم کو عام سکونت حاصل ہے۔ جس روزخ میں چاہورہ سکتے ہو۔ تو یہ خبر بخانی امر اور نبی ہر دو افراد پر دال ہوئے اور حدیث نے بھی دین کے اخذ کرنے کے واسطے سخت احتیاط و اتقا کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی دین ایسے شخص سے حاصل کرو جو علما و عملاً ظاہر و باطناً دین کا امام ہو۔

حدیث: عن ابن سیرین قال ان هذا العلم دين فانظر واعمن تاخذون دينكم. (مسلم ص ۱/۱۱)

یعنی یہ علم حق ہی دین ہے جس سے حاصل کرتے ہو تو پہلے اس شخص کو دیکھ لو جس سے حاصل کرو گے۔ اس قسم کی صدہا حدیثیں کتب حدیث میں ہیں چنانچہ داری شریف ”باب الاختاب عن اہل الہوا“ میں بھی کئی صحیح حدیثیں موجود ہیں تو اس میں بقول اہل عقل الكنایۃ ابلغ من التصریح ایک اشارہ و ترغیب ہے اس بات کی طرف کہ امام ایسا شخص بنایا جائے تو متقی و جامع علوم ظاہری و باطنی و راجع الی اللہ ہو جیسا کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے و اتبع سبیل من ۱ انساب الی۔ یعنی متابعت کر اس کی جو خدا کی طرف راجع ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جب کسی متقی کو امام بنایا جائے تو اس کی متابعت مقصود ہے نہ محض اغوار و ہول و لعب۔ چنانچہ حدیث میں ہی انما جعل الامام لیؤتم بہ (بخاری) یعنی امام تو متابعت کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ پس مقلدین آنکہ اربعہ قیامت کے روز خدا چاہے صاف نجات پائیں گے اور غیر مقلدین روئیں گے۔

۱: حرف من لفظ عام ہے اور معنا خاص ہے یعنی ایک شخص مراد ہے نہ دو چار۔

## دوسری دلیل تقلید پر

تو تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۵۹)

اس آیت میں ایمانداروں پر تین قسم کی تابعداری فرض کی گئی۔ (۱) خدا کی۔ (۲) رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (۳) اولی الامر یعنی صاحبان حکم کی۔ اس آیت میں اولی الامر ہی کافی تھے مگر لفظ منکم سے تصریح ہو گئی چنانچہ قرآن نے خود اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

لعلہ الذین یستنبطونہ منہم (پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۸۳)

یعنی اولی الامر مجتہدین و مستنبطین ہیں اور ہر اک مستنبط بھی نہیں بلکہ لفظ منہم سے تعین و تخصیص ثابت ہوئی۔ مفسرین نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۱) سنن دارمی شریف میں روایت ہے:

اخبرنا یعلیٰ حدثنا عبد الملک عن عطاء قال اولی الامر ای اولی العلم والفقہ یعنی مراد اولی الامر سے فقہاء ہیں۔

(۲) تفسیر اتقان میں امام سیوطی لکھتے ہیں:

عن ابی طلحہ عن ابن عباس قال اولی الامر اہل الفقہ والذین یعنی فقہاء مجتہدین اولی الامر ہیں۔

(۳) اخراج ابن جریر والمنذر و ابن ابی حاتم والحاکم عن ابن

عباس و عن مجاہد ہم اہل الفقہ والذین۔

یعنی اولی الامر حضرات فقہاء ہیں۔

(۴) تفسیر کبیر جلد ثالث صفحہ ۳۵۷ میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۵) شرح مسلم امام نووی جلد ثانی صفحہ ۱۲۴ میں بھی ہے۔

(۶) تفسیر معالم دینیہ شاپوری میں بھی یہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ و تابعین نے اولی الامر سے مجتہدین کی اطاعت فرض و واجب ٹھہرائی ہے اور جاہل و ہابیوں کا یہ کہنا کہ سوائے خدا و رسول علیہ السلام کے اور کی تابعداری شرک و بدعت ہے کس قدر دروغ بے فروغ ہے۔

سوال: اولی الامر سے مراد حکام وقت ہیں نہ کہ نہ مجتہدین۔

الجواب: حکام دو قسم ہیں۔ (۱) کفار و مشرکین۔ (۲) مسلمانان صادقین۔ تو قسم اول کی شان میں صاف وارو ہے۔

ومن لم يحكم بما انزل الله فاؤلئك هم الظالمون (پارہ ۶، سورۃ

المائدہ آیت ۴۵) هم الكافرون (آیت ۴۴)، هم الفاسقون۔ (آیت ۴۷)

یعنی وہ حاکم کافر و ظالم و فاسق ہیں اور باقی رہا قسم ثانی۔ سو وہ بھی دو قسم پر ہیں۔ (۱) اہل علم صادقین مومنین (۲) جہلاء و فاسق فاجر۔

سوا اگر قسم اول یعنی علماء صادقین ہیں تو بے شک ہم بھی کہتے ہیں کہ علماء مجتہدین ہیں اور اگر مراد تمہاری قسم ثانی ہے کہ فاسقوں و فاجروں کی متابعت تمہارے نزدیک فرض ہوگی۔ واقعی تمہارے امام ایسے ہی مناسب ہیں۔ انہوں نے غیر مقلدوں کو علم سے محرومی تو تھی عقل سے بھی یہ بے چارے معطل کئے گئے ہیں۔ آج تک ان کو اولی الامر کے معنی بھی نہیں آئے۔ وجہ کیا یہ لوگ نجات المومنین پڑھ کر فاضلوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر بد قسمتی سے تفسیر محمدی یا ثنائی پڑھی تو بس ذلیل مجتہد بلکہ ڈیڑھ گز اس پر اور بھی بڑھ گئے۔ اصل بات کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے وقت مبارک میں امیر و قاضی و حاکم

خوب عالم دین مومن صادق مقرر ہوتے تھے۔ بے علم و فاسق کو امیر کرتے ہی نہ تھے۔ پس وہی اولی الامر ہیں جن کی اتباع واجب ہے اس لئے اب بھی وہ حاکم فی الدین ہوگا جو عالم کامل اور مومن صادق ہے۔

اب یوں یاد رکھو کہ:

(۱) حاکم سے مراد اہل اسلام نہ کفار

(۲) اہل اسلام سے اہل علم میں نہ کہ جاہل و لیل

(۳) اہل علم سے مراد وہ نہیں جو ترجمہ مشکوٰۃ پڑھ کر شیخ النکل محدث بن بیٹھے بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کا حکم ہر حال میں قابل اتباع ہو۔ وہ سوائے مجتہدین کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران وان اخطا فله اجر واحد اس کے تحت میں امام نووی شرح مسلم جلد دوم کتاب الاقضیہ صفحہ ۷۷ میں لکھتے ہیں:

قال العلماء اجمع المسلمون على ان ذالك الحديث في حاكم اهل للحكم الخ۔

یعنی یہ حدیث مذکورہ اس حاکم کی نسبت ہے جو کہ لائق حکم ہے نہ ہر اک حاکم کے واسطے تو مجتہد جب حکم کرے گا تو یا کتاب و سنت سے یا اجتہاد سے اور بحالت صواب و داجر سے اور بحالت خطا ایک اجر ہے ماجر ہے اور ہر دو حالت خطا و صواب میں وہ مطیع الرسول ہے۔ پس مقلد بطریق اولیٰ مطیع الرسول ہے کیونکہ مقلد متبع مجتہد کا ہے اور مجتہد متبع حق ہے اور جو متبع حق ہے وہ واجب الاتباع و مطاع ہے۔ بخلاف غیر مجتہد کے کہ وہ نہ تو اجتہاد کر سکتا ہے نہ کسی اجتہادی مسئلہ پر مصیب و ماجر ہے۔ بلکہ اگر قیاس کرے گا بھی تو عاصی و خاطی ہوگا۔ دیکھو شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۷۷ وغیرہ اور اگر حکام اہل اسلام



اسے ناظرین اس حدیث سے تشریح آیت کی ہوگئی اور کئی امر ثابت ہوئے۔

- (۱) احکام تین قسم پر ہیں قرآن، حدیث و اجتہاد
- (۲) بعض احکام بھی ایسے ہیں کہ نہ قرآن میں صاف نہ حدیث میں صریح۔
- (۳) مجتہد جب قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ پائے تو اجتہاد سے فیصلہ کرے۔
- (۴) بعد از قرآن و حدیث مجتہد ہی حاکم ہے اور مجتہد کا حکم ہی واجب الاتباع ہے نہ غیر مجتہد کا۔

(۵) اجتہاد خدا و رسول کی مرضی کے موافق نہ مخالف۔

(۶) اہل یمن پر معاذ رضی اللہ عنہ کی اطاعت تینوں امور میں واجب تھی۔

- (۷) مجتہد کو شارع علیہ السلام کے رو برو بھی اجتہاد سے کام لینا۔ حکم جاری کرنا جائز تھا۔ چہ جائیکہ بعد شارع کے۔ کیونکہ آپ نے معاذ کو یہ نہ فرمایا کہ اگر قرآن و حدیث میں نہ ملے تو میں فی الحال موجود ہوں مجھ سے بذریعہ خط و کتابت پوچھ لینا موجودگی میرے قیاس کچھ نہ کرنا۔ مزید برآں احکام شرعیہ بھی وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے تھے اور جدید احکام نازل ہوتے جاتے تھے۔ کوئی ناسخ کوئی منسوخ
- (۸) اہل یمن کو بھی حضور علیہ السلام نے یہ حکم نہ فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ سے ہر مسئلہ کی دلیل طلب کرتے رہنا۔ اگر قرآن و حدیث سے کہے تو ماننا اگر اجتہاد سے کہے تو نہ ماننا حالانکہ وہاں کوئی عالم بھی نہ تھا۔

(۹) اہل یمن نے بھی معاذ رضی اللہ عنہ سے اصرار نہ کیا کہ شارع علیہ السلام کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت نہیں اور صاحب نبوت کے رو برو قیاس کیا چیز ہے؟ یہ گویا اشارہ ہے کہ اگر مجتہد کو ضرورت درپیش ہو تو بلا شک وہ اجتہاد سے حکم کرے اور تعمیل کرائے اور شارع سے اجازت کا منتظر نہ رہے۔

(۱۰) مجتہد اپنے آپ کو یقیناً صادق و برحق سمجھے ورنہ اگر خود ہی مجتہد کو شک ہو تو وہ

عام لئے جائیں تو پھر بھی سلاطین اسلام تمام روئے زمین کے مقلد و صوفی مشرب ہیں۔ چنانچہ ترکستان و افغانستان وغیرہ اکثر حنفی نقشبندی ہیں اور مصر اور بغداد وغیرہ اکثر حنفی و حنبلی و مالکی و قادری ہیں۔ پس اگر حکام کی ہی تابعداری کرنا ہے تو وہ مقلد ہیں تم بھی تقلید کرو۔ اب آیت مذکورہ کی تشریح احادیث صحیحہ سے کی جاتی ہے جس سے صاف ثابت ہوگا کہ شرع شریف میں کتنے اصول اہلسنت کے نزدیک ہیں۔

(۱) عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضي اذا عرض لك قضاء قال اقصي بكتاب الله قال و ان لم تجد في كتاب الله قال اقصي بسنة رسول الله قال فان لم تجد في سنة رسول الله قال اجتهد برأي ولا آلو قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره و قال الحمد لله الذي وفق رسول رسولنا لما يرضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

یعنی حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم و امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا اور پوچھا کہ اے معاذ! اگر تجھے کوئی مقدمہ درپیش آیا تو کیا کر دے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا اگر قرآن میں نہ پائے تو پھر معاذ نے عرض کیا کہ حدیث سے۔ آپ نے فرمایا اگر حدیث میں نہ پائے تو معاذ نے عرض کی کہ پھر میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا اور بال سوال تفصیر نہ کروں گا۔ حضور علیہ السلام یہ جواب سن کر ایسے خوش ہوئے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے معاذ کی رائے کو اپنے رسول ﷺ کی رائے کے موافق کر دیا۔

دوسرے کو مجبور کس طرح کر سکتا ہے۔

پس اس حدیث سے واضح ہوا کہ اولی الامر شارع علیہ السلام کے نزدیک مجتہد ہے اور بعد از قرآن وحدیث مجتہد ہی واجب الاتباع ومقتدا ومطاع ہے۔ اب اولی الامر سے حکام جہلاء عیافا فاسق مراد لینا خلاف مرضی شارع علیہ السلام ہے۔

حدیث دوم: العلم ثلثة - اية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة - الحدیث - (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ کے نیچے یوں لکھتے ہیں: ”فریضہ عادلہ ایست کہ شغل وعدیل کتاب وسنت است اشارت است باجماع و قیاس کہ مستند ومستبط اندازاں وبایں اعتبار آراء مساوی ومعاول کتاب وسنت والمشہرات اندو تعبیر از اں فریضہ عادلہ کردہ اند تنبیہ بر آں کہ عمل بآنها واجب است چنانچہ بکتاب وسنت۔ پس حاصل ایں حدیث آں شد کہ اصول دین چہار اند۔ کتاب وسنت واجماع و قیاس۔“ خلاصہ حدیث مذکورہ کا یہ نکلا کہ اہل اسلام کے نزدیک چار اصول ہیں۔ قرآن و حدیث واجماع و قیاس۔

حدیث سوم: ان عمر ابن الخطاب لما ولی شریحان القضاء قال له انظر فیما تبین لک فی کتاب اللہ صریحا فلا تسئل عنه احداً وما لم تبین لک فی کتاب اللہ فاتبع ما فیہ سنة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان لم تبین لک فی السنة فاجتہد فیہ برایک رواہ البیہقی

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو تاضی مقرر کر کے فرمایا کہ جو چیز صاف قرآن میں ہے اس کے متعلق کسی سے نہ پوچھ۔ اگر قرآن میں نہ ملے تو حدیث میں دیکھ اگر وہاں بھی نہ ملے تو اپنا اجتہاد کر۔ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ اولی الامر کے معنی مجتہد

ہیں نہ غیر کوئی۔

حدیث چہارم: کان ابوبکر رضی اللہ عنہ اذا اورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد ما فیہ یقضی بینہم قضی بہ وان لم یکن فی کتاب و علم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک الامر سنة قضی بہ فان اعیاه خرج فسال المسلمین الی ان اذا اجتمع رایہم علی امر قضی بہ رواہ الدارمی۔

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو اگر قرآن و حدیث سے جواب ملتا تو فیصلہ کرتے اگر دونوں سے نہ ملتا تو اجماع اہل اسلام کی رائے سے فیصلہ کرتے۔

حدیث پنجم: دیکھو رسالہ انصاف مصنف شاہ ولی اللہ دہلوی۔ قال عبد اللہ ابن عباس اذا سئل عن الامر فکان فی القرآن اخرج بہ وان لم یکن فی القرآن و کان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرج بہ فان لم یکن فعن ابی بکر و عمر فان لم یکن فیہ فامر برایہ۔ وفی روایہ فانظر ما اجتمع علیہ الناس فخذ بہ (رواہ الدارمی ص ۳۳، ۳۴)

یعنی اگر ضرورت کسی مسئلہ کی ہو تو پہلے قرآن میں دیکھو پھر حدیث میں پھر شیخین کے فیصلہ جات میں۔ اگر نہ ملے تو جماعت مسلمین سے اگر وہاں نہ ہو تو اجتہاد سے فیصلہ کرو۔ یہی فیصلہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس سے بھی چار اصول قرآن و حدیث واجماع و قیاس ثابت ہوئے۔

حدیث ششم: عن عبد اللہ ابن مسعود قال فمن عرض له قضاء بعد اليوم فلیقض فیہ بما فی کتاب اللہ فان جاءہ ما لیس فی کتاب اللہ ولم یقض

بہ بما قضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فلیقض بما قضی بہ  
الصالحون۔ (الحديث، رواه الدارمی)

یعنی اگر کسی کو کوئی مقدمہ پیش آئے تو قرآن وحدیث سے فیصلہ کرے اگر وہاں  
سے مسئلہ نہ ملے تو اولیاء صلحاء کے فیصلہ جات پر فیصلہ کرے۔ قضی بہ الصالحون  
سے مراد علماء صادقین وائمہ مجتہدین ہیں۔ کیونکہ شرعی معاملات کا فیصلہ مجتہد ہی ٹھیک کر سکتا  
ہے نہ جاہل وابجد خواں۔

حدیث ہفتم عن عبد اللہ قال اذا سئلتم عن شی فانظروا فی کتاب  
اللہ فان لم تجدوه فی کتاب اللہ ففی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم فان لم تجدوه فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففیما  
علیہ المسلمون فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون فاجتهدوا  
برایک۔ (رواہ الدارمی۔ باب الفیقا)

یعنی جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو قرآن وحدیث دیکھ کر بتاؤ۔ نہیں تو  
جماعت مسلمین کی رائے سے فیصلہ کرو ورنہ اجتہاد کرو اس حدیث سے بھی چار اصول قرآن  
وحدیث واجماع وقیاس ثابت ہوئے۔ پس اب جو شخص چار اصول میں سے دو کو تولیتا ہے  
اور دو (اجماع و قیاس مجتہد) کا مخالف ہے۔ وہ نہ صرف وہابی بلکہ مفسد فی الدین وطمع ہے۔

سوال: ہر اک فرقہ خواہ مرزائی ہونیچری ہو وہابی یا مسلمان اہلسنت ہو۔ سب کا یہی دعویٰ  
ہے کہ ہماری طرف اس قدر لوگ ہیں۔

الجواب: اس کا فیصلہ تو حضور علیہ السلام نے صاف کر دیا ہے چنانچہ وہ یہ ہے:

ان النسبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی

کتاب ولا فی سنة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فیہ العابدون  
من المؤمنین۔ (رواہ الدارمی ص ۴۸)

ایک حدیث یوں ہے: فلیقض بما قضا بہ الصالحون۔ (رواہ الدارمی)

اور ایک حدیث یوں ہے: اتبعوا السواد الاعظم۔ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی جنی بات قرآن وحدیث میں نہ ہو تو پہلے عابدین لوگ اس امر محدث پر نظر کریں  
پھر جوہ فیصلہ کریں اس پر تم بھی فیصلہ کرو پھر اگر اختلاف ہو جائے تو جماعت کثیر کی اتباع کرو۔

پس روایات بالا کے ملاحظہ سے صاف نظر آتا ہے کہ علماء صادقین وائمہ  
مجتہدین نے جو جو فیصلے کئے ہیں ایماندار کو انہیں پر چلنا چاہیے۔ باقی تفصیل بذیل آیہ نمبر  
۴ ملاحظہ فرماؤ۔ یعنی چوتھی دلیل کے تحت میں پڑھو۔ پس ان اور آئندہ نمبر ۴ کی آیت کے  
ذیل کی حدیثوں سے کئی امور تصفیہ و فیصلہ پا گئے۔ مثلاً میلاد شریف کرنا، عرس شریف کرنا  
، نذر و نیاز دینا، فتحات اہل اللہ پڑھنا، میت کا سوم و چہارم و ہفتم و چہلم کرنا، وغیرہ وغیرہ  
کیونکہ یہ سب کچھ معمولات حضرات بزرگان دین سے ہے۔ اب امید ہے کہ وہابی  
زیادہ بک بک نہ کریں گے۔

سوال: آیت مذکورہ واجادیث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اصول اسلامیہ چار (قرآن و  
حدیث واجماع و قیاس) ہیں مگر ایک امام کی تقلید کہاں سے نکلی۔

الجواب: ناظرین! ہم نے صرف تمہاری تفہیم کے واسطے یہ امر مقدمہ میں طے کر دیا ہے  
چنانچہ مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ امر پانزدہم و دوم وغیرہ کو خیال سے پڑھے گا۔ لیکن پھر مختصر  
طور پر یاد رکھو کہ جو مسائل صاف و صریح قرآن وحدیث میں نظر آتے ہیں یا جن مسائل  
میں آئمہ مجتہدین متفق ہیں یا جو اجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں تقلید شخصی کی ضرورت ہی  
نہیں ہے۔ ہاں جن مسائل میں حضرات مجتہدین اختلاف رکھتے ہیں۔ تقلید شخصی تو ان



میں واجب ہے کیونکہ موضع خلاف میں سب حق پر نہیں ہوتے بلکہ صرف ایک ہی صاحب حق پر ہوتا ہے اور باقی اماموں پر صرف احتمال حق ہوتا ہے۔ گو وہ سب حضرات بخیاں تحقیق خود حق پر ہوں پس ایسے موقع پر بے علم و غیر مجتہد پر لازم ہے کہ اس مجتہد کی تقلید کرے جس کو آئمہ اربعہ میں سے افضل و اعلم خیال کرے تاکہ طہیحت حیران و پریشان نہ ہو اور اہل اسلام سے نکل کر مرزائی نیچری وغیرہ نہ ہو جائے اور اعلم و افضل کی تقلید کرنا یہ میرے دل کی بات نہیں بلکہ خود جناب سرور عالم علیہ السلام کا فرمان ہے۔

حدیث اول: من تولى امر المسلمين شيئا فاستعمل عليهم رجلا و يعلم ان فيهم من اولى بذلك و اعلم منه بكتاب الله و سنة رسوله فقد خان الله و رسوله و جماعة المسلمين . كذا فى فتح القدير .

حدیث دوم: من استعمل رجلا من عصابته و فيهم من هو ارضى لله منه فقد خان الله و رسوله و المومنين اخرجہ الحاکم و ابن عدی و العقيلي و الطبرانی و الخطيب ط

یعنی جو شخص مسلمانوں کا کسی امر میں متولی و متصرف مختار ہوا پھر اس نے مسلمانوں پر کسی ایسے شخص کو عامل و حاکم مقرر کیا کہ جس سے بڑھ کر زیادہ عالم و فقیہ و دوست خدا بھی موجود ہے اور اعلم و اذقہ کو چھوڑ کر اور کو حاکم مقرر کیا تو اس نے خیانت کی۔ خدا کی اور رسول علیہ السلام کی اور جماعت اہل اسلام کی۔ پس ثابت ہوا کہ اعلم و اذقہ کی اتباع واجب ہے اور تولی عام ہے اس سے کہ دینی ہو یا دنیاوی۔ پھر مجتہدین میں سے کسی کو اعلم و اذقہ جان کر اس کی تقلید سے ہٹا کر ان سے پست درجہ والے یا غیر مجتہد کی تقلید کرنا یا کرنا اپنے آپ کو خائن خدا اور رسول علیہ السلام و اہل اسلام کا بنانا ہے اور ہمارے نزدیک اگرچہ مجتہدین مذہب اربعہ بعد صحابہ تمام امت سے زیادہ بزرگ اور عالم و فقیہ ہیں۔ مگر

کل مجتہدوں میں سے امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ افضل و اکمل ہے اور آپ جملہ مجتہدین و محدثین میں سے اعلم۔ و اذقہ و ادرع ہیں چنانچہ دیکھو تہیض الصحیفہ امام سیوطی کا اور میزان امام شافعی مالکی کی اور خیرات الحسان و تائید المنان وغیرہ۔

حدیث سوم: اذا و سدا الامر الى غير اهله فانتظروا الساعة . (رواہ البخاری)

یعنی جب نااہل تالائق لوگوں کے سپرد کام کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ گویا اشارہ ہے کہ لائق لوگوں کو لوگ چھوڑ کر نا لائقوں کو اپنا امام بنائیں گے جیسا کہ فی زمانہ امامان دین و مجتہدین صادقین کو چھوڑ کر مرزا قادیانی و سید احمد خان نیچری و مولوی اسماعیل و نذیر حسین دہلوی وغیرہ کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔

حدیث چہارم: قال ابو موسى اشعري في حق ابن مسعود . لا تستلوني ما دام هذا الخبير فيكم كذا في المشكوة . (ہدایہ جلد اول ص ۲۸)

یعنی اے لوگو! مجھ سے کچھ نہ پوچھو جب تک عبداللہ بن مسعود تم میں سے ہے۔ چونکہ ابن مسعود صحابہ میں اعلم بالحدیث تھے اس لئے اعلم کی موجودگی میں دوسرے کی ضرورت نہ رہی۔

حدیث پنجم: مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين تعري الى هذه مرة و الى هذه مرة . (رواہ مسلم)

یعنی مثال منافق کی اس بکری کی مانند ہے جو (۲) دو ریوڑوں میں بھرتی ہے۔ کبھی ادھر کو جاتی کبھی ادھر کو جاتھی۔ پس دو مذہبوں پر چلنا گویا منافقوں کی شکل بنانا ہے

حدیث ششم: من اتاكم و امركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق لئ لئ انهم نفرقوا الى البلاد و صار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي و كثرة الوقائع



فاسفوا فیہا فاجاب کل احد حسب ما حفظہ او استبط الخ۔ (ج۱ اللہ الباقی)

۱۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اول صفحہ ۸۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔

عصاکم اور یفرق جماعتکم فاقتلوہم۔ (رواہ مسلم)

یعنی جس وقت تم ایک شخص کے ماتحت و محکوم ہو پھر کوئی اور شخص تم کو اس جماعت سے یا اس کی متابعت سے جدا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو قتل کرو۔

اس حدیث نے صاف دکھا دیا کہ جو شخص مقلد شخص ہو پھر اس کو کوئی امام کی تقلید سے ہٹانا چاہے تو وہ ہٹانے والا شرعاً واجب الاختیار ہے۔

سوال: خدا نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ فلاں امام کی تقلید کرو۔ مثلاً امام اعظم کی تقلید یا شافعی کی وغیرہ۔ اس سے صاف و صریح فیصلہ ہو جاتا۔

الجواب: جب خدا نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم اپنے حکم کے ساتھ ہی فرمایا تو اب وجوب کے کیا معنی۔ ہاں نام بنام لے کر اس لئے نہیں فرمایا کہ اس تمہارے جدید قاعدہ سے تمام نصوص لغو باطل ہو جائیں گی کیونکہ پھر تو ہر اک زانی کہے گا۔ میرے نام کی حد نکالو۔ شرابی کہے گا کہ میرے نام کا حکم نکالوں۔ چورو قاتل کہے گا میرے واسطے خاص حکم بتاؤ۔ بے نمازی، بے روزہ، تارک زکوٰۃ سب کہیں گے کہ ہمارے نام پر حکم بتاؤ۔ ہم کو کہاں حکم ہے کہ تم ایسے ایسے کام کرو۔ یا خدا نے کہاں فرمایا کہ غیر مقلدوں کے مولوی فلاں فلاں ہیں ان کے پیچھے چلو۔ فلاں فلاں جھوٹا ہے اس کی نہ مانو۔ غرض کہ یہ طریق استدلال جو ہم سے طلب کیا جاتا ہے محض دھوکا دہی و فریب بازی ہے۔ جبکہ اطاعت اولی الامر کی واجب ہوئی اور اولی الامر حضرات مجتہدین ثابت ہوئے تو تقلید واجب ہو گئی۔ اب بات صرف یہ رہی کہ حضرات نے جو جو مسائل استخراج کئے ہیں وہ سب کے سب قابل تقلید ہیں یا نہیں؟ تو اس کا صاف جواب یہی ہے کہ مقلد غیر مجتہد کے واسطے

یہی بہتر ہے کہ اپنے اپنے امام کے سب مائل مفتی بہ پر عمل درآمد رکھے۔ کیونکہ خود کو مجتہد نہیں غیر مجتہد کا اجتہاد مجتہد کے مقابلہ میں مقبول نہیں اور بہر حال اس کو مجتہد کی اتباع کرنا ضروری ہے اور مجتہد کامل صواب و خطا پر دو حال میں مایوس ہے نہ ماخوذ اور یہ بار بار جنگایا گیا کہ جن امور میں صریح کوئی حکم شارع سے مردی نہیں اس میں حضرات مجتہدین کا ضرور اختلاف ہوگا۔ چنانچہ حدیث ہے:

انما رای الانمة فیما لم یسنزل فیہ کتاب ولم یمض بہ سنة الحدیث (داری ص ۶۱۱ و در اسات اللیب ص ۵۴)

پس جبکہ کسی مسئلہ پر اماموں کی مختلف رائیں ہیں اور ہر اک امام کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ حق و صواب بھی موجود ہے اور خلاف نصوص بھی نہیں تو غیر مجتہد کو بغیر ایک کی تقلید کے چارہ بالکل نہیں۔ ہاں ایک بات قابل یادداشت ہے وہ یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی مسئلہ بظاہر مخالف نصوص معلوم ہو اور کسی ترجمہ مشکوٰتی مولوی کے عقل کے کوزہ میں نہ آئے تو کیا کیا جائے۔ تو جواب حق یہ ہے کہ وہ مسئلہ گو مشکوٰتی ترجمہ خوان کے فہم میں نہ آئے مگر وہ مسئلہ اگر کسی مجتہد کامل کے نزدیک درست ہے تو بے شک فی الاصل درست و حق ہے۔ ایسے موقعہ پر مشکوٰتی ترجمہ خوان کے خلاف کرنا اور مجتہد کے حکم پر ثابت رہنا عین مرضی خدا و رسول علیہ السلام و اہل اسلام ہے۔ چنانچہ حضرات فقہاء کا بھی یہی ارشاد ہے کہ جو شخص از روئے صداقت و حقانیت و براہین و ورع و علیت مذہبی تفصیل و ترجیح رکھتا ہو اور اس کی تحقیقات و اجتہاد فو قیت رکھتا ہو تو اسی کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔ چنانچہ در مختار مختار میں ہے:

ان الحکم والفتی بالقول المرجوع جہل و خرق الاجماع۔  
پس از روئے قرآن و حدیث و اجماع تقلید شخصی واجب ثابت ہوئی اور مخالف تقلید خارج از اہلسنت و الجماعت ثابت ہوا۔ اللہم ثبتنا علی مذہب ابی حنیفہ۔

## تیسری دلیل وجوب تقلید پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَوْتِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصْلِهِ جَهَنَّمُ وَ سَاءَتْ  
مَصِيرًا (پ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۱۵)

اور جو کوئی تابعداری کرے مومنوں کے راستہ کے سوائے اور راستہ کی تو اس کو  
ہم دوزخ میں بڑی جگہ دیں گے۔

اس کے نیچے تفسیر کبیر جلد ثالث جلد ۲۷۲ میں لکھا ہے:

ان الشافعی سئل من آية في كتاب الله تعالى تدل على ان  
الاجماع حجة فقراء القرآن ثلث مائة مرة حتى وجد هذه الآية وتقرير  
الاستدلال ان اتباع غير سبيل المومنين حرام فوجب ان يكون اتباع  
سبيل المومنين واجبا

یعنی امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ اجماع امت کی حجت شرعی ہونا کس دلیل  
سے ثابت ہے۔ تو آپ نے تین سو مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ آخر الامر یہی آیت بار بار  
نظر آئی اور اس پر آپ نے یوں تقریر فرمائی کہ خلاف راستہ مومنوں پر چلنا حرام ہوا تو  
راستہ مومنوں پر چلنا واجب ہے۔

اور تفسیر مدارک ص ۱۳۵ میں بذیل آیت ہذا لکھا ہے:

وهو دليل على ان الاجماع حجة لا يجوز مخالفتها كما لا  
يجوز مخالفة الكتاب والسنة.

یعنی یہ دلیل ہے اس پر کہ اجماع امت حجت ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی  
مخالفت جائز نہیں ویسا ہی اجماع کی مخالفت جائز نہیں۔

اور تفسیر بیضاوی ص ۲۰۱ بذیل آیت ہذا یوں ہے:

والاية تدل على حرمة مخالفة الاجماع الى ان قال واذا كان  
اتباع غير سبيل المومنين محرما كان اتباع سبيلهم واجبا وقد  
استقصيت الكلام فيه في مرصاد الافهام.

یعنی یہ آیت دلیل ہے اجماع کے حجت ہونے پر۔ اگرچہ یہ ایک ہی آیت کافی  
ہے اجماع کی حجت ہونے پر مگر تاہم چند اور آیات بھی حاضر ہیں۔ جن سے مضمون  
مذکورہ کو اور بھی زیادہ امداد تقویت ملتی ہے۔

آیت اوّل: والذين يحاجون في الله من بعد ما استجيب له حاجتهم  
داحضة عند ربهم وعليهم غضب ولهم عذاب شديد۔

(پ ۲۵، سورۃ الشوری، آیت ۱۶)

یعنی جس بات حق کو مسلمان جان چکے پھر اس میں مفیدین کا جھگڑا ڈالنا یہ  
دوزخیوں اور مغضوب علیہم کا کام ہے۔

یہ آیت صاف اس پر دال ہے کہ جب اہل اسلام کسی بات پر اجماع کر لیں تو  
اس کو توڑنا حرام ہے چنانچہ تقلید پر کل اہل اسلام کا قوی و فعلی اتفاق ہے تو اس کا توڑنا  
تحت حرام ہے۔

آیت دوم: لا تفسدوا في الارض بعد اصلاحها۔

(پ ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۵۶)

یعنی جب کوئی بات اصلاح پر آجائے اور مسلمان مصلح ہوں تو پھر فساد نہ کرو۔ یعنی  
جب کل مسلمان الاشاذ تقلید کو واجب سمجھ کر اس پر کاربند ہو گئے تو اس کو توڑنا ممنوع وحرام ہے

آیت سوم: جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس -

(پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۳)

یعنی تم کو امت عادلہ و درمیانہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کی گواہی دو۔ چنانچہ سب نے گواہی دی کہ تقلید واجب ہے تبارک اس کا خارج از اہلسنت ہے۔ مقلدین فرقہ ناجیہ ہے۔ آیت چہارم: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔ (پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰)

یعنی تم امت بہتر ہو۔ بہتری کی ظاہر بات یہ ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم کرتے ہو اور گناہوں سے باز رکھتے ہو۔ جیسی کہ اس امت کی نشانی بہتری کی یہ ہے کہ نیک بات بیان کرتے اور گناہ سے منع کرتے تو پھر تقلید کو جو علمائے واجب لکھا ہے اور لاندہی کو سخت گناہ لکھا ہے تو اب علماء کا خلاف کرنا گویا آیت کا خلاف کرنا ہے۔ اگر کہو کہ علماء و صلحاء اور صوفیائے غلط کہا ہے تو آیت مذکورہ کی تکذیب ہوتی ہے کیونکہ خدا نے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس امت کی تعریف فرمائی ہے۔ (معاذ اللہ) جھوٹ ہے اور یہ بات بھی ظاہر تر ہے کہ امر معروف و نہی منکر صرف علماء ہی کا کام ہے نہ جہلا کا۔ تو علماء خود بھی مقلد اور وجوب تقلید کے بھی قائل۔ اگر کوئی کہے کہ وہابیوں، مرزائیوں، شیخیوں کے مولوی بھی تو امت میں شامل ہیں پھر یہ فرتے کیوں دوزخی بنے۔ تو اس کا جواب آیت اولی الامر کے تحت میں گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان فرقہ بالانے دو اصول کو لیا اور دو کو ترک کیا ہے اور اتباع سبیل المؤمنین و سواد اعظم سے خارج و باہر ہو گئے۔ لہذا وہ فرتے اہلسنت و جماعت سے نکل گئے پس آیت مذکورہ کے الفاظ و عموم معانی سے ظاہر ہے کہ جس طریق جس امر کو اہل اسلام پسندیدہ و بہتر قرار دیں۔ خواہ من حیث الاعمال والافعال خواہ من حیث الاصول والاعتقاد۔ اس سے جدا رہنا دوزخیوں کا شیوہ اور

بدعتوں محدود کا طریقہ ہے۔ نعوذ باللہ منہم ابدًا۔

سوال: یہ آیات مذکورہ صحابہ کرام کی شان میں وارد ہیں تو مراد مومنین سے صحابہ ہوئے نہ ہر ایک مسلمان۔

الجواب: پھر نماز و روزہ اور زکوٰۃ کو بھی ترک کرو کیونکہ اقیمو الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ یا اتصوا الصیام یا واعلموا یا اطیعوا وغیرہ کے مخاطب بھی وہی ہیں اور سارا قرآن جو احکام و ارشادات ہیں یہ سب صحابہ کو ہی خطاب ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ تمام قرآن شریف کے دو ہی حصے ہیں یا تو اہل ایمان کے متعلق ہیں یا کفار و مشرکین کے متعلق۔ پھر اگر قرآن دہاں پر ہی رہا تو آج قرآن کریم نے کیا کام دیا۔ اصل یہ ہے کہ قرآن شریف خواہ کسی وقت کسی شخص کے حق میں ہو مگر حکم میں تعیم اس صنف کی ضرور ہے جس کے متعلق نازل ہوئی۔ مثلاً چوروں کے واسطے قیامت تک ہر اک چور زانی، شرابی کیلئے قیامت تک ہر ایک شرابی زانی شامل داخل ہے۔ پس بلحاظ الفاظ آیات و عموم معانی صاف ظاہر ہے کہ اس میں کل مومنین صادقین شامل داخل ہیں۔ اگرچہ آیات کے اور معانی و مرادات و احتمالات بھی ہوں مگر کسی پر حصر نہیں۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ آیات میں المؤمنین سے مراد کل مومن شرعی و لغوی نہیں۔ کیونکہ کل متبوع و مطاع بننے کے قابل نہیں اور کل ۳ فرقے بھی مراد نہیں۔ کیونکہ ہر اک فرقہ قابل اتباع نہیں۔ خصوصاً موضع اختلاف میں۔ پس مقتدا و مطاع وہی بن سکتے ہیں جو اکرم داعلم و اقلی ہیں۔ وجہ اس کی صاف عیاں ہے کہ کل افراد اہل اسلام کا اتباع کسی فرع میں محال ہے۔ جبکہ صحابہ کرام (جن کی خاص تعداد تھی) کا کئی امور میں بعض وقت اختلاف تھا تو پھر کل امت کا اتباع کس طرح ممکن ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت سے مراد اکثر علماء کرام و صلحاء عظام ہر زمانہ ہیں، نہ فرقہ وہابی یا مرزائی یا شیخی۔ چنانچہ یہ بات حدیثوں سے ثابت ہے۔



## چوتھی دلیل وجوب تقلید پر

قال الله تعالى: ولولا فضل الله عليكم ورحمته لاتبعتم الشيطان الا قليلا (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۸۳)

یعنی اگر تم پر خدا کا فضل نہ ہوتا تو تم شیطان کے تابع بن جاتے مگر قلیل کے مومن شیطان سے بچ جاتے اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ لوکاں مفہوم مخالف اور قلیل کا مقابل حقیقتاً کثیر ہے تو آیت سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے تابع ہو جاتے مگر چونکہ خدا کا فضل تم پر ہے اس لئے زیادہ تو تم شیطان سے بچ رہے اور قلیل شیطان کے تابع رہیں گے۔

(۲) اس امت میں جس طرف زیادہ مسلمان ہوں وہ تم شیطان سے بچ رہے اور ان پر خدا کا فضل ہے اور جو حکم میں وہ تم شیطان ہیں۔

(۳) سوائے مسلمانوں یعنی امت محمدیہ کے اور جہاں جہاں لفظ قلیل یا کثیر آیا ہے وہاں پر مقابلہ قلیل کو ہی کثیر بتایا اور سمجھایا گیا ہے اور اس امت پر زیادہ فضل خدا ہے اس لئے زیادہ جماعت کثیر اہل ایمان بنائی گئی۔ یعنی کسی نبی کی امت اس قدر نہ تھی بلکہ بعضوں کی تو بہت ہی کم تھی اور ان کا مذہب دلت ساری دنیا میں شہرت پذیر نہ ہوا ہر چار طرف کفار ہی تھے۔ اس لئے وہاں پر قلیل ہی کو کثیر کہا گیا ہے اور اس امت کی اشاعت و انتشار تمام دنیا میں ہو گیا تو یہ کثیر حقیقتاً اور مجازاً بنائی گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب کفار کے مقابلہ میں مسلمان آئیں تو لفظ قلیل ہی معتبر ہے اور جب آپس میں کسی دینی امر میں تقابل ہو تو وہاں پر بلکہ اکثر معتبر و حق پر ہے۔ کیونکہ قلت میں اکثر خطا کا احتمال رہتا ہے اور کثرت خصوصاً اکثریت میں کم احتمال بلکہ شاذ و نادر خطا کا احتمال ہے۔

(۴) ہمیشہ دستور ہے کہ جس جگہ کسی امر دینی یا دنیاوی میں کچھ بحث و جھگڑا چلا ہے

تو بوقت اختلاف اکثر کی رائے و بیان کی فوقیت و ترجیح دے کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہی قانون حضور علیہ السلام نے از روئے وحی جاری کر دیا۔ چنانچہ یہی آیت اور صدہا احادیث اس کی موید ہیں۔ سیاقی تفصیلاً۔

(۵) صرف لفظ قلت یا کثرت پر ہی نہ مرنے چاہیے بلکہ اس میں خوض و غور بھی ضروری ہے کس کی قلت اور کس کی کثرت۔ اگر قلت تمہارے نزدیک صرف امام العالم امام اعظم کا وجود مبارک ہے اور کثرت سے مراد دیگر حضرات مثل بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہم تو بے شک آپ قلت کی متابعت فرض سمجھو۔ اگر قلت سے مراد چند نجدی یا دیوبندی یا اسماعیلی یا نذیری فریقہ ہے اور کثرت سے مراد حضرات مجتہدین ہیں تو کیا آپ کا ایمان ایسا ہی ہے کہ محدود سے چند غیر معتبر کو تو امام بناؤ اور کل مسلمانوں کے اماموں کو ترک کر دیں۔ معاذ اللہ۔

سچ ہے: ان يرد سبيل الغي يتخلوه (پارہ ۹، سورۃ اعراف، آیت ۱۳۶)

(۶) اگر جماعت کثیر و سواد اعظم کو غیر مقلد گمراہ ٹھہرا کر اپنی قلیل تعداد کو ہدایت پر ثابت کرتے ہیں تو پھر دیگر فرقے مثلاً نجری و مرزائی و چکڑالوی و محدود زندیق وغیرہم جو بالکل اُن سے بھی قلیل ہیں کیوں نجات نہیں پاسکتے۔ پھر وہابیوں کی کیا خصوصیت ہے پھر تو جتنے فرقے قلیل ہیں سب کے سب ناجی کہلا سکتے ہیں۔

(۷) دنیا میں جس قدر فرقے ہیں وہ فرداً فرداً سب قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اہلسنت و الجماعت کے مقابلہ میں کیونکہ اہلسنت و الجماعت کی کثرت بلکہ اکثریت عملاً و عقیدۃ اصولاً و فرما بھی ثابت اور از روئے تعداد بھی اکثر ہیں۔ یہاں تک اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کو چار حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ تو تین حصے اہلسنت و الجماعت ہیں اور ایک حصہ دیگر فرقے۔ چنانچہ ملک عرب اور ملک افغانستان تو بالکل اہلسنت اور ہندوستان



کی کثرت تو ظاہر ہے۔ یہی احسان خدا نے جتلیا یا جو کہ آیت مذکورہ میں ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ کثیر اہلسنت والجماعت اور قلیل میں دیگر گمراہ فرقے شامل ہوئے۔

(۸) قلت و کثرت کا جب تقابل ہو تو مساوات بھی ضروری ہے مثلاً حکماء و ذاکثر ہوں تو برابر یا فقیہ و محدث ہوں تو برابر یا ممبر کمیٹی ہوں تو برابر وغیرہ۔ نہ یہ کہ ایک طرف ایک مجتہد اعظم اور دوسری طرف ہزار وہابی۔ ع..... چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مثلاً: میلاد شریف کو کل عرب و عجم کے کروڑ ہا مسلمان علماء و صلحاء کرتے ہیں اور جواز کے قائل ہیں تو چند وہابی یا دیوبندی و گنگوہی کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے یا کروڑ دو کروڑ اہل اسلام قدیم و جدید کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ گئے اور تاحال زندہ ہیں۔ قریب قیامت آسمان سے نزول فرمائیں گے اور بلا باپ پیدا ہوئے اور جنات و ملائکہ کا وجود یہ بیست کذا کی ہے یا مہدی علیہ السلام کا اولاد فاطمہ سے ہونا اور وصال کا قتل از قیامت نکلنا اور اقسام کے شعبات دکھانا یا حضور علیہ السلام سے شق القر ہونا یا انبیاء اولیاء سے مردوں کا زندہ ہونا یا نذر و نیاز و فاتحہ و عرس انوات کا جائز ہونا یا تقلید شخصی کا واجب ہونا وغیرہم اہل اسلام عرب و عجم ہندی سندھی بکثرت متواتر مانتے چلے آئے ہیں اور تاحال کثیر الاکثر ان امورات کے قائل و پابند ہیں۔ پھر اگر نیچری مرزائی وہابی منکر ہوں تو وہ از روئے آیات و احادیث مردود و مطرود ہیں اور زیادہ لطیف یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا مخالف اگرچہ ایک ہی وجود ہے مگر وہ اپنے آپ کو سواد اعظم و جماعت کثیر ہی کہتا ہے اور تمام اہلسنت کو قلیل سمجھتا ہے۔ ع..... ”برعکس نہند نام زنگی کا نور“

پس خلاصہ یہ ہے کہ جب کہیں اختلاف پیدا ہو تو بیانات مذکورہ کو مد نظر رکھ کر سوچے اور پھر متابعت کثرت کر کے نجات حاصل کرے کیونکہ شارع علیہ السلام نے جو بار بار اتباع کثرت کی ترغیب و تحریص دلائی ہے اس سے نتیجہ کیا اور فائدہ کیا نکلا۔ اگر کثرت و

قلت میں صداقت و حقیقت کا دخل نہ ہوتا تو اس قدر شارع علیہ السلام کی حش و ترغیب ہی لا طائل ہے۔ پھر تو صرف اتباع کی کافی تھا کہ حق کی اتباع کرو خواہ کثرت ہو خواہ قلت لان الانسان خیر من واحد و الثلاثة خیر من اثنين و الا ربعة خیر من ثلاثة فلیکم بالجماعة فان الله لن یجمع امتی الا علی ہدی۔ کنز العمال جلد ۲۲، حدیث نمبر ۲۵۴۳

پھر یہ لفظ اکثر یا جماعت کثیر یا سواد اعظم وغیرہ کی جو قیدیں شارع نے لگائی ہیں۔ بالکل مہمل بے کار ٹھہریں گی۔ حالانکہ شارع علیہ السلام کا کوئی لفظ مہمل و بے کار نہیں۔ اب ہم وہ حدیثیں لکھتے ہیں جن سے اتباع کثرت کا حکم ہے اور وہ حدیثیں آیت مذکورہ کی تفسیر و تشریح کرتی ہیں۔

حدیث اول: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانه من شد شد في النار۔ (رواہ ابن ماجہ) یعنی بڑی جماعت کی متابعت کرو کیونکہ جو شخص جدا ہو اور رخ میں گرا۔ شیخ عبدالحق بذیل حدیث ہذا لکھتے ہیں:

”مرا وحش و ترغیب است باتباع آنچه اکثر دران جانب اند“

شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

الظر والی ما علیہ اکثر علماء المسلمین من الاعتقاد والقول والفعل فاتبعوه فیه فانه هو الحق وما عداہ الباطل۔ پس خلاصہ یہ کہ جس طرف علماء و صلحاء کی جماعت کثیر ہو اس طرف کھڑے ہو جاؤ کہ حق ہے۔

حدیث دوم: عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان ذئب الانسان کذئب الغنم یا حذہ الشاذة والقاصية والناحية وایاکم والشعاب و علیکم بالجماعة والعامۃ۔ (رواہ احمد)

یعنی تحقیق آدمی کا بھیڑ یا شیطان ہے۔ جس طرح بھیڑ یا اس بکری کو پکڑتا ہے جو علیحدہ ہوگئی یا کنارہ پر چلے یا پیچھے رہ گئی ہو اسی طرح شیطان بھی اس کو پکڑتا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب عقداً نجد میں لکھتے ہیں لیساً اندوست المذاهب الحقۃ الاہلۃ الاربعۃ کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عنہ۔

جماعت کثیر سے الگ ہو گیا پس بچہ بہت راستوں (مذہبوں) سے اور لازم پکڑ بڑی جماعت کو جس میں خاص دعاء شریک ہوں۔

اس حدیث کے نیچے شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں:

”اشارت است بانکہ معتبر اتباع اکثر و جمہور است چنانچہ اتفاق کل در ہمد کام واقع بلکہ ممکن نیست“

حدیث سوم عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواہ احمد و ابو داؤد۔

یعنی جو شخص بڑی جماعت سے الگ ہو گیا۔ بقدر ایک بالشت تو تحقیق اس نے قلاوہ اسلام کا اپنی گروں سے نکال دیا۔

ف: یعنی اہلسنت سے ایک ذرہ بھی بغض و عداوت و مخالفت اختیار کی تو بس مردود ہو گیا۔ چنانچہ مرزائی، نیچری، وہابی اس واسطے مردود ہو گئے۔

حدیث چہارم عن ابی مالک الا شعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اجارکم من ثلاث خلال ان لا يدعوا علیکم نبیکم فتهلکوا اجتمعوا وان لا یظہر اهل الباطل علی الحق وان لا تجتمعوا علی ضلالة۔ (رواہ ابو داؤد)

یعنی میری امت کو تین نقصانوں سے خدا نے بچا لیا ہے۔ ایک تو نبی ان پر ایسی بددعا نہ کرے گا جس سے کل ہلاک ہوں۔ دوم جھوٹے لوگ بچوں پر غالب نہ

ہو گئے۔ سوم یہ امت کسی گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور کسی برائی پر اتفاق نہ کریں گے۔

حدیث پنجم عن عمر ابن قیس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وعدنی فی امتی و اجارہم من ثلاث لا یجمعہم بسنة ولا یستأصلہم عدواً ولا یجمعہم علی ضلالة (رواہ الدارمی)

یعنی خدا نے وعدہ فرمایا ہے میرے ساتھ کہ یہ امت نہ تو قحط سے ہلاک ہوگی اور نہ ان کو دشمن حق پر پاؤں کرے گا اور نہ یہ امت کسی گمراہی پر اجماع کرے گی۔

حدیث ششم عن ابن ابی بصرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألت ربی ان لا تجتمع امتی علی ضلالة فاعطا نیہا (رواہ الطبرانی وغیرہ)

یعنی خدا سے میں نے سوال کیا کہ میری امت کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ سو خدا نے یہ دعا میری قبول فرمائی اور مجھے میرا مقصد دے دیا۔

حدیث ہفتم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع ہذہ الامۃ علی الضلالة ابدان و ان یداللہ علی الجماعة۔ الحدیث۔ (رواہ ابویہیم)

یعنی یہ امت کبھی کسی گمراہی پر اجماع نہ کرے گی کیونکہ خدا کی مدد و نصرت ان پر ہے ف: اس حدیث میں لفظ ابدان اور اوپر کی حدیث نمبر ۵، ۶، ۷ میں لفظ ضلالۃ نے خوب رنگ لگایا ہے۔ یعنی کبھی وہ وقت نہ آئے گا کہ یہ امت کسی بد کام یا گناہ کے کام پر جماع ہو کر بد کو نیک کرے۔ چنانچہ آج تک ایسا ہی ہوا۔ مثلاً: رافضیوں کو خاریجیوں کو آج تک کسی نے اچھا نہیں کہا مگر ان کے ہم عقیدہ نے۔ یا قدریہ جبریہ کو کسی نے بھی نیک نہیں کہا یا مرزائی، وہابیوں نیچریوں کو کسی نے سچا مسلمان نہیں کیا۔ بلکہ فتاویٰ اخراج عن المساجدان پر جاری ہوئے۔

حدیث ہشتم عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

فارق الجماعة فمات ميتة جاهلية۔ (رواہ البخاری)

یعنی جو شخص بڑی جماعت سے الگ ہو گیا پھر مر گیا گویا کفر کی موت کی طرح مر گیا یعنی اہلسنت و جماعت سے جدا ہو کر نیا الگ مذہب نکال کر مر گیا تو کفر کی موت مرا حدیث تہم: عن الحارث الاشعری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرتكم بجماعة۔ الخ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

یعنی تم کو امر کرتا ہوں بڑی جماعت کی پیروی کا۔

حدیث دہم: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سره ان يسكن بجوحة الجنة فعليه بالجماعة فان الشيطان مع الفرد (رواہ مسلم، کذا فی المعالم)

یعنی جس کو یہ بات خوش آئے کہ وہ جنت میں سیر و سکونت حاصل کرے تو وہ شخص بڑی جماعت کی پیروی لازم پکڑے۔ کیونکہ جو شخص الگ ہو گیا اس کا رہبر و ہرن شیطان ہے۔ چنانچہ دیکھ لو مرزا قادیانی اور سید احمد نیچری اور چکڑالوی اور عبد الوہاب نجدی کا کیا برا حال ہوا ہے۔

حدیث یازدہم: عن عبد الله ابن مسعود قال ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (رواہ الموطا)

یعنی جس بات کو اکثر مسلمان (علماء و صلحاء) نیک خیال کریں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہی ہے۔

ف: اس حدیث میں لفظ المسلمون ہے جس سے کئی کوتاہ اندیش بے سمجھی سے ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ اگرچہ الفاظ اس کے جمع پر دال ہیں اور جمع کثیر و قلیل پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اگر اتفاق کل مراد لیں تو یہ نہایت ہی محال ہے کہ احکام انگریزوں کو اکل نہیں بلکہ اکثر ہیں۔

اختلافیہ میں کل امت ۲ فرقوں کا اتفاق ہو۔ پھر کیا یہ حدیث ہی معاذ اللہ غلط ہے اگر مراد اس حدیث سے اہلسنت یعنی مقلدین ہیں تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو اتفاق ہوگا۔ ان امور میں جو کہ ادلہ شرعیہ سے ثابت و مروی ہیں تو ایسے امور مجمع علیہ میں اتفاق کل امت کی شرط ضرور نہیں کیونکہ ان کا حسن خیریت تو خود ہی شرع شریف سے ثابت ہے۔ پھر ماراء المؤمنون حسنا کی قید لغو و بیکار ٹھہری اور اگر وہ امور متفق علیہ ادلہ شرعیہ ظاہرہ سے خارج ہیں اور وہ امور اجتہادی یا اختلافی ہیں تو اس میں امان وین مختلف ہیں۔ تو اب بتاؤ کہ یہ حدیث کیا جھوٹ ہے۔ معاذ اللہ یا غلط ہے۔ اگر مراد اس سے صرف صحابہ کرام ہی ہیں اور ماعداء ہم کی نفی ہے تو پھر تمام حدیثوں کی اور کتنی خیرامہ اور جعلنا کم امة وسطا و قل یا عبادی وغیرہ کے وہی مصداق و مخاطب ہیں اور عام اہل اسلام ہر دم خارج ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث کے لفظوں کی تعلیم بھی یہ نہیں چاہتی اور کوئی قرینہ صارفہ بھی موجود نہیں۔ پھر لطف یہ کہ صحابہ کرام بھی کل امور متفق نہیں ہیں۔ اگر وہ کل پر متفق ہوتے تو آئمہ اربعہ کا اختلاف صد ہا مسائل میں کیوں ہوتا اور اختلاف آئمہ کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اصل صحابہ کرام کی روایات و آثار میں ہی اختلاف تھا تو آئمہ بھی مختلف ہوئے۔ پھر اب فرماؤ کہ حدیث نے کیا کام دیا۔ البتہ ہماری تقریر کے رو سے حدیث بھی درست اور آیات کے معنی بھی درست ہوں گے۔ یعنی المسلمون سے مراد اکثر العلماء المسلمین ہے جیسا کہ حدیث اول کے تحت میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اگر صحابہ کے وقت ہو تو اکثر صحابہ اگر بعد کے لوگ ہوں تو اکثر علماء صلحاء اسلام مراد ہیں اور اکثر اہل اسلام میں جہلاء و حمقاء بھی مراد نہیں کیونکہ مسائل شرعیہ کی صحت و تصحیح یا حسن و قبح دیکھنا یہ کام علماء کا ہے۔ معلیوں کا اس میں کچھ دخل نہیں۔

حدیث دوازدہم: لا یعتقد قلب مسلم علی ثلث خصال الا دخل الجنة۔



قال قلت ما هي قال اخلاص العمل والنصيحة لولا الامر ولزوم الجماعة (رواه الدارمي)

یعنی جس نے تین خصلتیں اختیار کیں وہ بہشتی ہے۔ بے ریا عمل کرنا، حکام وقت کی خیر خواہی، اتباع جماعت کثیر۔

حدیث سیزدہم: من اتاكم وامركم جميع برجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق جماعتكم۔ (رواه مسلم)

یعنی جو کوئی تمہارے پاس آیا اس حال میں کہ تم ایک شخص کے مامور (مقلد) ہوئے ہو۔ پھر وہ شخص تمہاری جماعت کو توڑے اور تفرقہ ڈال کر اس امام واحد کی اطاعت سے باہر کرنا چاہے تو اس کو قتل کر ڈالو۔

ف: اس حدیث امر کم برجل واحد سے تقلید شخصی صاف ثابت ہے۔

حدیث چہار دہم: مستكون بعدنى هنات هنات فمن رايتموه فارق الجماعة او يريد ان يفرق امة محمد كان فاقطلوه۔ (رواه مسلم كذا في جامع الاصول)

یعنی قریب ہے کہ کئی فرقے پیدا ہونگے میرے بعد سو جس کو دیکھو کہ وہ بڑی جماعت سے نکل گیا یا امت، مرحومہ میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے تو اس کو قتل کر ڈالو۔

ف: قتل و جد لگانا حکام کا کام ہے نہ عام رعایا کا۔ البتہ امیر کا بل نے ان حدیثوں پر عمل کر کے چند مرزائیوں کو قتل کر کے اپنے ملک کو پاک کر دیا ہے۔ علی ہذا شیر علی خان کے وقت بھی وہابیوں کو غزنی سے نکال دیا گیا ہے اور رافضیوں کو بھی نکال دیا تھا۔ مگر یہ بڑی حاکم غیرت مند دینی خیر خواہ کا کام ہے نہ کسی ایسے ویسے کا۔

حدیث پانزدہم: عن عبد الله ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم مثل المنافق كمثل الشاة العائرة تعرالى هذا مرة والى هذا مرة۔ (رواه مسلم)

یعنی منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دور یوڑوں کی سیر کرتی ہے کبھی ادھر آ ملتی ہے کبھی ادھر جا لگتی ہے۔

ف: یہ اس شخص پر صادق ہے جو کبھی خفیوں میں ملا کبھی شافعیوں میں جا گھسا۔ ایک کا مقلد اس وعید سے بچ گیا۔

حدیث شانزدہم: عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل دم امرء مسلم يشهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله الا باحدى ثلث الشيب الزانى والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة۔ (رواه مسلم والدارمي)

یعنی تین آدمی کا قتل کرنا حلال ہے ان میں سے وہ بھی ایک ہے جو جماعت سے الگ ہو گیا اور تارک جماعت کو تارک دین بھی کہا گیا ہے۔ (اس حدیث کی تفصیل شرح مسلم امام نووی میں دیکھو) اور قتلید آئمہ دین کو بھی دین کہا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث بستم میں ذکر آتا ہے پس تارک قتلید گویا تارک دین ہے۔

حدیث ہشتادم: انتم شهداء الله فى الارض (رواه البخارى ومسلم)

یعنی اے لوگو تم خدا کے گواہ ہوزمین میں۔

ف: یعنی تم جو گواہی دو گے اور جیسا فیصلہ کرو گے خدا کے نزدیک بھی ویسا ہی ہوگا۔ چنانچہ آیت وجعلناكم اممة وسطا لتكونوا شهداء۔ اور حدیث ما رواه المسلمون حسناً کی تفسیر و تائید اس صحیح حدیث سے ہوگئی۔ اب حدیث نمبر ۱۱ کے



متعلق کوئی خدشہ نہ رہا مگر یہ گواہی علماء حافظین و اولیاء کا طین کا کام ہے نہ جہلا و مرزائین وغیرہم کا۔

حدیث ہشتم: ہم: اخروج ابن مردويه عن انس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الرجل يصلي و بصوم و ينج و يغزو و انه المنافق قيل يا رسول الله بماذا دخل عليه النفاق قال لطفه على امامه و امامه من قال الله في كتابه فاستلوا اهل الذکر انکم لا تعلمون۔

یعنی تحقیق آدمی کوئی نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، جہاد کرتا ہے حالانکہ وہ منافق ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس میں کس طرح نفاق آگیا تو فرمایا اپنے امام پر طعن کرنے کے سبب سے اور امام سے مراد اہل ذکر ہے۔

ف: حدیث اس کے حق میں ہے جو کہے کہ میں حنفی ہوں۔ پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسائل کو غلط اور خلاف قرآن و حدیث بیان کرے اور لوگوں میں وہ مسائل عام طور پر شائع کرے۔

حدیث نوزدہم: عن حذيفة قال قلت هل شر بعد ذالك الخير قال نعم دعاة على ابواب جهنم من اجابهم اليها قد فوه فيها قلت يا رسول الله صفهم لنا قال هم من جلدتنا و يتكلمون بالسنتنا قال فما تامرني ان ادركني ذالك قال تلزم جماعة المسلمين و امامهم۔ (الحدیث، البخاری و مسلم)

یعنی حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اس زمانہ خیر کے بعد کیا کوئی زمانہ شر آئے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے کھڑے ہیں جو ان کی بات کو قبول کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ پھر عرض کیا کہ کچھ ان کی علامت

فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری قوم و ملت سے ہی ہونگے اور ہماری زبان سے (قرآن و حدیث) باتیں کریں گے پھر صحابی نے عرض کی کہ اگر ایسا زمانہ میرے سامنے آجائے تو کیا کریں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لازم ہے تم پر پیروی بڑی جماعت کی اور وہ جماعت بھی ایسی ہو کہ امام ان کا ہو۔

ف: اس حدیث میں آپ نے کس بلاغت و ملاحت سے سمجھایا کہ مطلقاً کہیں لفظ جماعت پر نہ مرجائیں۔ کیونکہ لفظ جماعت اقل درجہ تین چار پر صادق آجاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تین چار وہابی یا مرزائی وغیرہ مل کر بولیں کہ ہماری بھی جماعت ہے اور حالانکہ نہ ان کا کوئی امام نہ حدیث کا یہ مطلب ہے۔ نہیں تو ہر اک جماعت قلیل ہو یا کثیر اقل ہو یا اکثر سب حق پر مسلم ہوں گے اور حالانکہ شارع علیہ السلام کی یہ مراد ہی نہیں۔

حدیث ہشتم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة قلنا لمن قال لله ولرسوله ولكتابه ولائمة للمسلمين وعامتهم۔ (رواه مسلم)

یعنی دین نام ہے خیر خواہی کا صحابہ نے پوچھا کس کی خیر خواہی۔ آپ نے فرمایا خدا کی یعنی اس پر ایمان لانا اور قرآن کی تعظیم و تکریم کرنا اور پیغمبر حق کی اطاعت صدق دل سے کرنا اور اماموں کی خیر خواہی۔ یعنی ان کی تقلید کرنا ان پر بدظنی نہ کرنا اور عام کی خیر خواہی یہ کہ ان کی بھلائی اور بہتری کی باتیں سوچنا بیان کرنا۔ شاننا۔ امام نووی شافعی شرح مسلم جلد اول ص ۵۴ میں بذیل جملہ ائمة المسلمین لکھتے ہیں۔

ان من نصيحتهم قبول ما روه و تقليدهم في الاحكام و احسان الظن بهم۔ الخ۔

یعنی اماموں کے واسطے خیر خواہی کے معنی یہ ہے کہ ان کی تقلید کر کے ان کے حکموں پر اپنا عمل درآد رکھنا۔

ف: اس حدیث سے جس طرح خدا اور پیغمبر اور کتاب پر ایمان لانا دین ہے اسی طرح

تقلید امام بھی دین ہے۔ اب اس کو شرک کہنے والا کیا ہوا اور صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح اور باتوں کا تارک (جو حدیث بالا میں درج ہیں) بے دین ہے اسی طرح تقلید کا منکر بھی بے دین ہے۔ اے غیر مقلدین آپ الحمد للہ سنت تھے۔ افسوس کہ حدیث نے بھی آپ کو مردود کر دیا۔ اب اہل قرآن! بنو۔

حدیث بست ویکم: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا فی سنة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فیہ العابدون من المومنین و فی روایة فلیقض بما قضی بہ الصالحون و فی روایة فیما علیہ المسلمون۔ (الحديث، رواه الدارمی)

یعنی عرض کیا گیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جو چیز نئی (بدعت) پیدا ہو اور اس کا ذکر قرآن و حدیث میں بھی نہ ہو اس کو کیا کیا جائے۔ یعنی وہ ممنوع ہے یا مسمور و جائز ہے۔ آپ نے فرمایا اس بدعت پر نظر کرنا غور و فکر کرنا سوچنا عابدین و بزرگان دین کا منصب و کام ہے اور جب وہ غور و نظر سے اس کا کچھ حکم جائز و ناجائز فرمائیں تو پھر بما قضی بہ الصالحون کے موافق فیصلہ کرے اور اس پر عمل کرے یا جس پر جماعت اہل اسلام کثیر قائم و قائل ہیں اس پر عمل کرے۔

ف: اس حدیث سے صاف فیصلہ ہو گیا اور صد ہا امور اٹھ ہو گئے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جو بدعت عند العلماء و الصالحاء حسنہ ہے اس کے کرنے سے ثواب ہے اور جو بدعت اہل اللہ و متقیین کے نزدیک قبیح ہے اس کا کرنا باعث معصیت ہے کیونکہ بدعت حسنہ بھی ایک قسم کی سنت حسنہ یا ملحق بالسنت ہے۔ اب بعض جاہلوں کا یہ خیال ٹوٹ گیا کہ بدعت بہر حال بدعت سیدہ ہے کسی وجہ سے حسنہ نہیں بن سکتی پس جبکہ جماعت کی متابعت تیرہ سو سال سے کل مسلمان السنۃ تھے پھر غیر مقلدین نے حد و بغض سے اپنا نام الحمد للہ رکھا اور ایک فرقہ ان سے بڑھ گیا اس نے اپنا نام اہل قرآن رکھا۔

واجب ہوئی اور اتباع کثرت امت سے اتباع سنت نبوی حاصل ہوئی تو متبع جماعت کثیر کا نام فرقۃ السنۃ ہو جس کے ہمیشی ہونے کی خبر بار بار حدیثوں میں وارد ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

حدیث بست وروم: ان نبی اسرائیل تفرقت علی اثنا و سبعین فرقة و مستفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلہم فی النار الاملة واحدة قالوا من ہی قال ما انا علیہ واصحابی و فی روایة واحدة فی الجنة و ہی الجماعة۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی)

یعنی امت محمدیہ ۷۳ فرقوں پر منقسم ہوگی ان میں سے ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی کل دوزخی اور علامت اس بہشتی فرقہ کی یہ ہے کہ من حیث العقائد و الاصول تو وہ ایک جماعت ہے اور من حیث الاعمال و الاقوال متبع سنت ہے۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ فرقۃ السنۃ و الجماعت جتنی ہے۔ کیونکہ اقوال و افعال نبویہ اور آثار صحابہ کو سنت کہتے ہیں اور ہمہ وجہ یکسو ہو کر اصول اسلامیہ و عقائد حقہ پر عمل کرنے سے صورت و ہیئت مجموعی حاصل ہوتی ہے جس سے جماعت کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے فرقہ ناجیہ کا نام السنۃ و الجماعت ہوا۔ اب یہ بات قابل غور ہے کہ آج کل بھی وہ فرقہ ناجیہ موجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کون سا فرقہ ہے۔ سو حضرات علماء دین کی تحریرات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سوائے مقلدین مذاہب اربعہ کے اور کوئی بھی فرقہ ناجیہ نہیں ہو سکتا۔

اول: علامہ عمر یگانہ دہر سید احمد صاحب طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ در مختار کتاب الذبائح میں لکھتے ہیں:

قال بعض المفسرین فعلیکم یا معشر المسلمین باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله و توفيقه

فی موافقتهم و خذ لاند و سخطه فی مخالفتهم و هذه الطائفة الناجية  
قد اجتمعت اليوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفیون المالکیون  
والشافعیون والحنبلیون ومن كان خارجاً من هذه المذاهب فی  
ذالك الزمان فهو من اهل البدعة والنار

یعنی کہا بعض مفسرین نے کہ اس زمانہ میں فرقہ مقلدین اہلسنت وجماعت ہے  
سب مسلمان ان کی پیروی لازم پکڑیں۔ بلا شک خدا کی مدد اور توفیق فرقہ مقلدین کی  
موافقت و متابعت میں ہے اور وبال و خسران ان کی مخالفت میں ہے۔ پس جو شخص مقلدین  
سے خارج ہو گیا وہ مردود و بدعتی و دور زنی ہے۔ اللہم تبنا علی مذهب ابی حنیفہ۔

دوم: علامہ زمان فہامہ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:  
فان اهل السنة والجماعة قد افرقت بعد القرون الثلاثة او الاربعة علی  
اربعة مذاهب ولم یبق فی الفروع سواء هذه المذاهب الاربعة۔ الخ۔

یعنی چار مذاہب کے متبعین کا نام اہلسنت وجماعت ہے۔ پس جو مقلد نہیں وہ  
خارج از اہلسنت وجماعت ہے۔

سوم: قال العلامة ابن حجر المکی الشافعی فی فتح المعین شرح  
الاربعة فی شرح الخدیث الثامن والعشرين . اما فی زماننا فقال بعض  
الائمة لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة لان هواء عرفت قراعد  
مذاهبهم واستقرت احکامهم و قد تابعوهم و حرروها فرعا فرعا و  
حکما حکما ان لا یوجد حکم الا وهو منصوص لهم اجمالا و تفصیلا  
یعنی امامان دین نے فرمایا کہ چار مذاہبوں کے سوا اور کسی کی تقلید ضروری نہیں بلکہ  
جائز نہیں کیونکہ ان چار مذاہبوں کی تحقیقات میں کل مسائل اصولی و اعتقادی و فروعی و اختلافی

داخل و شامل ہو گئے ہیں اور مضبوط و منضبط مفصل و مجمل تمام قلم بند کر کے شائع کر دیے ہیں  
اب کوئی مسئلہ بھی باہر نہیں۔ الا شاید نادور اور ناموں کے مسائل کل ادلہ شرعیہ سے بدل ہیں۔

چہارم: فافرض لنفسک ما رضی به القوم لا نفسهم فانهم علی علم قد وقفوا  
و نبصرنا قد كفوا و لهم علی كشف الامور كانوا اقواء و بفضل ما كانوا  
فیہ اولی فان كان الهذی ما انتم علیہ لقد سبقتموهم الیه مع انهم هم  
السابقون ولئن قلتم فلم انزل الله ایه کذا و لم قال کذا یعنی اعتراض علی  
السلف فنقول قرؤا منه و علموا من تاویلہ ما جهلتم۔ الخ۔ (کذا فی ابوداؤد)

یعنی جن امور پر قوم (اہل علم) راضی ہو تو بھی اس پر راضی ہو کیونکہ وہ لوگ تم  
سے علم فہم و صلاحیت و خیریت میں اقدم و اسبق و افضل ہیں۔

پنجم: صاحب بحر الرائق نے انتہاء سے نقل کیا ہے:

ماخالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع وان كان فیہ  
لغیرهم۔ الخ۔

یعنی جس نے چار مذاہبوں کی مخالفت کی وہ اجماع کا مخالف ہے۔ پس مخالف  
اجماع کا منکر و مردود ہے۔

ششم: علامہ دہر سید محمودی عقد الفرید میں لکھتے ہیں:

وقال المحقق الحنفیہ الکمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نقل  
الامام الرازی اجماع المحققین علی منع العوام من اعیان الصحابة بل  
یقلدون من بعدہم الذین سیروا و وضعوا و دونوا۔  
ہفتم: مسلم الثبوت میں ہے:

اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابة بل  
یقلدون الذین سیروا و یوہوا و ھدوا و نقحوا و عللوا و فرقوا و

فصلوا و علیہ ابنتی ابن الصلاح منع تقلید غیر الانمة لان ذالک لم یدر فی غیرہم۔ الخ

یعنی خلاصہ ہر دو عبارات کا یہ ہے کہ عام کو یعنی غیر از مجتہد کو تقلید صحابہ اور خارج از چار مذاہب کے تقلید سے روک دیا جائے اور مجتہدین اربعہ کی تقلید پر کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ ان کی تحقیق و تصدیق کافی دوائی ہے۔

ہشتم: امام استوائی شرح منہاج الاصول میں (جو قاضی بیضاوی کی ہے) لکھتے ہیں:

قال الامام الحرمين في البرهان اجمع المحققون على ان العوام ليس لهم ان يعملوا بمذاهب الصحابة بل عليهم ان يتبعوا بمذاهب الانمة۔ الخ

یعنی اہل تحقیق نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عام (غیر از مجتہد) کو لائق نہیں کہ صحابہ کرام کی تقلید کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ مجتہدین کے مذاہب پر چلے۔ (تویر الحق) ہم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں لکھتے ہیں:

اعلم ان الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها مفسدة كبيرة و نحن نبين بوجوه۔ الخ

یعنی جان تو کہ مذاہب اربعہ کی تقلید میں بڑی بڑی مصلحتیں ہیں اور مذہب سے روگردانی و سرکشی کرنے میں بہت فسادات ہیں۔

و ہم: حضرت امام ملا علی قاری رسالہ تشیع الفقہاء میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے وقت میں کوئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تتبع تھا۔ کوئی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پیرو تھا یا بعض امور میں ان کا بعض میں ان کا سو اس کی وجہ یہ تھی کہ اصول صحابہ چونکہ کافی طور پر مرتب و مدون نہ تھے۔ لہذا وہ تشفی و تسلی بخش نہ ہوئے کیونکہ ان کو مہمات جہاد اور فتوحات ملکی سے فراغت نہ تھی۔

۱۰م یہ نہ بونکہ وہ خود بھی عالم حدیث و واقف اسرار نبوت تھے اور علوم حق کی اشاعت و دراز تک پہنچتی تھی اور آفتاب نبوت کی روشنی اکثر کے دلوں پر کامل تھی اور جو جو مبادیات و مامات و مسائل کے طریق ضروری تھے۔ وہ صحابہ کرام نے خود حضور علیہ السلام سے الیہ رپا چھرا لیا۔ لہذا ان کو جملہ احکام و امورات میں ایک ہی شخص معین لی نہ، رست نہ پڑتی تھی۔

و اما في زماننا فساد ما في الانمة كافي لمعرفة الكل فانه فما من واقعة تقع الا وجدناها في مذهب الشافعي او غيره نصا او تخريجا فلا ضرورة الى اتباع الامامين۔ الخ

پس اس زمانہ میں ہر اک مذہب میں اصولی و فردی مسائل کافی دوائی موجود ہیں لہذا دو اماموں کی تقلید کی ضرورت نہ رہی۔ پس حضرات محققین کی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ اہلسنت و جماعت سے مراد مقلدین ائمہ اربعہ ہیں تو حدیث مذکورہ نمبر ۲۲ کے مصداق فرقہ ناجیہ مقلدین ہیں۔

اب ناظرین کو پھر متوجہ کرتا ہوں کہ آپ حدیث نمبر ۲۲ پر غور و غوض کر کے دیکھیں کہ کئی امور نکلے۔

(۱) مذہب اہلسنت و الجماعت (مقلدین) حق ہے یقیناً اور واجب الاعتقاد ہے صدقا  
(۲) دیگر مذاہب جو خارج از اہلسنت (مقلدین) ہیں۔ وہ قطعاً باطل و عاقل و موجب ضلال ہیں۔

(۳) تمام روئے زمین میں یہی ایک فرقہ ناجی و مذہب حق کہلانے کا حق دار ہے۔

(۴) سوائے فرقہ اہلسنت (مقلدین) کے اور سب فرقوں کو دوزخی سمجھنا لازمی ہے۔

ان قد اجتمعت الامة اومن يعتمد به منها على جواز التقليد الى يومنا هذا۔ الخ۔ (جمہ تہذیب)



زمانہ میں سبیل المؤمنین وسواد اعظم سے مراد فرقہ اہلسنت والجماعت (مقلدین) ہیں نہ کوئی اور۔ چنانچہ دیکھو (رسالہ عقد الجید مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، باب دوم)

اور یہ سب لوگ تقلید شخصی کو واجب مانتے ہیں اور خود بھی مقلد ہی رہتے۔ کوئی صوفی یا اہل طریقت، کوئی محدث یا مفسر، کوئی غیر مقلد و بے پیر نہ تھا بلکہ سب لوگ مقلد و یا پیر تھے۔ امام بخاری شافعی، امام ترمذی شافعی، دارقطنی شافعی، امام غزالی شافعی، امام رازی شافعی، امام نووی شارح مسلم شافعی، امام قسطلانی شارح بخاری شافعی، امام جلال الدین شافعی، امام بدر الدین عینی شارح بخاری حنفی، امام ابن الہمام حنفی، امام ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ حنفی، حضرت شیخ عبدالحق محدث شارح مشکوٰۃ حنفی، ابواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ حنفی، شاہ ولی اللہ محدث حنفی، شاہ عبدالرحیم حنفی، شاہ اہل اللہ حنفی، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث حنفی، امام طحاوی حنفی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حنفی، صاحب درمختار و رد المحتار حنفی، صاحب بحر الرائق حنفی، صاحب فتاویٰ خیر یہ حنفی، حضرت پیر و نگیر غوث اعظم ضلی، امام شعرانی مالکی، ابن حجر مالکی، امام ابن الحاج مالکی، صاحب تفسیر بیضاوی شافعی، صاحب تفسیر معالم شافعی، صاحب تفسیر مدارک حنفی، صاحب تفسیر حسینی حنفی، صاحب تفسیر رونی حنفی، صاحب تفسیر کلیسی حنفی، صاحب سفر السعادت شافعی، حضرت مولانا جامی حنفی، غرض کہ کل محدثین و مفسرین مقلد تھے اور کل اہل طریقت اہل حنفی یعنی حضرات نقشبندیہ و قادریہ و چشتیہ و سہروردیہ و مٹھم کروڑ و کروڑ سابقین اور زمانہ حال کے سب کے سب مقلدین ہی ہیں اور سب وجوب کے قائل اور قوال و فعلا سب کا اتفاق ہے۔ پھر ایسے ایسے اکابرین و ملف صالحین کو مشرک و بدعتی کہنا کسی مسلمان کا کام نہیں۔ سوائے وہابی، مرزائی، نیچری کے۔

خداوند کریم سب کو مقلد بنائے۔ آمین۔ اللہم ثبتنا علی مذہب ابی حنیفہ۔

- (۵) جو شخص مذہب اہلسنت کو حق اور دیگر باقی مذاہب کو غلط نہ جانے وہ حدیث مذکورہ نمبر ۲۲ کا مخالف ہے۔
- (۶) اقوال و افعال نبویہ و آثار صحابہ کا نام سنت ہے اور کثرت اتفاق اعتقاد و عملاً کا نام جماعت ہے۔ اس لئے اس فرقہ مقلدین کا نام اہلسنت ہوا۔
- (۷) صرف امت محمدیہ ﷺ میں شامل ہونے سے فرقہ ناجیہ نہیں کہلا سکتا۔
- (۸) علماء صلحاء کے نزدیک مقلدین ہی فرقہ ناجیہ ہیں نہ کوئی اور۔
- (۹) ہر اک مخالف اہلسنت جیسا مرزائی، وہابی، چکڑالوی، نیچری، رافضی، خارجی وغیرہم فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔
- (۱۰) مخالف مقلدین کے قول و فعل و عقیدہ پر اپنا عملی و اعتقادی دار و مدار رکھنا ان کو دینی پیشوا خیال کرنا اور نماز کا امام بنانا گویا خود دوزخی بننا ہے۔
- (۱۱) جو شخص سنت نبویہ کو عمل میں لائے اور سنت صحابہ کو ترک کرے تو وہ فرقہ سے خارج ہے۔
- (۱۲) سنت نبویہ و آثار صحابہ کے قائل و قائل و محقق و عامل حضرات مجتہدین ہیں اور حضرات مجتہدین کی تحقیقات و تصدیقات کے متبع کا ل فرقہ مقلدین ہی ہے لہذا یہی فرقہ ناجیہ ہے۔
- (۱۳) جملہ مذاہب کے احکام و عقائد و اعمال کی سیر کرنا اور ہر اک مجتہد کے اجتہادی تحقیق سے کچھ کچھ چن کر عمل میں لانا اور اردو ترجمہ قرآن یا تفسیر محمدی پڑھ کر مجتہدین کی غلطیاں پکڑنا، طعن کرنا، دوزخی فرقہ کی علامت ہے۔ غرض کہ مخالف اہلسنت و جماعت کا خواہ کوئی ہو وہ فرقہ ۱۔ ناریہ میں داخل ہے کیونکہ آیات و احادیث و اجماع کے مخالف ہے حالانکہ آیات و احادیث سے سبیل المؤمنین وسواد اعظم کی اتباع واجب ہے اور اس

## پانچویں دلیل وجوب تقلید پر

قال الله تعالى: فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ط

(پارہ ۱۴، سورہ نحل، آیت ۳۳)

یعنی جس بات کا جاہلوں کو علم نہیں اس کا اہل ذکر سے سوال کر کے علم حاصل کریں۔ اس آیت میں تین امر غور طلب ہیں۔

(۱) سوال کرنا (۲) اہل ذکر سے نہ ہر اک سے (۳) بحالت جہالت

پہلے اب خیال کریں کہ سائل کو جب قرآن و حدیث سے کوئی مسئلہ نہ ملے تو بہر حال کسی نہ کسی مجتہد سے (جس کا اتباع واجب ہے) سوال کرنا فرض ہے۔ پس جب اہل ذکر سے سوال کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو جواب سن کر قبول کر کے تعمیل کرے گا یا منکر لاولی الامر ہوگا۔ تو اگر جواب سن کر عمل کیا تو مقلد ہو اور ایمانداروں میں مل گیا۔ اگر نہ پوچھا یا جواب قبول نہ کیا یا اس کے خلاف کیا تو منکر و مخالف بن کر غیر مقلدین وغیرہ میں مل گیا۔ ان دونوں میں سے اولی الامر کی تفسیر خود حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ یعنی اہل ذکر بھی لاولی الامر ہی ہے کیونکہ اہل ذکر حدیث شریف میں دین کے امام کو کہا گیا ہے اور دین کے امام کو لاولی الامر بھی کہا گیا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اہل ذکر لاولی الامر ایک ہی ہے۔ چنانچہ حدیث یہ ہے

اخرج ابن مردودہ عن انس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الرجل يصلي ويصوم ويحج ويغزو وانه المنافق قيل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ذا دخل عليه النفاق قال لظننه على امامه و امامه اهل الذکر (الآية)

یعنی جو آدمی اپنے امام پر طعن کرے وہ منافق ہے۔ اگرچہ نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور امام اس کا اہل ذکر ہے۔

امام ابوالمصور ماتریدی اپنی کتاب تاویلات الامام میں بذیل آیت مذکورہ فرماتے ہیں۔

هذا الامر بالسؤال ای سلوا اهل الذکر و قلدوهم ان كان

لابد من تقلید فقلدوا اهل الذکر واستلوا عنهم۔ الخ

یعنی اہل ذکر سے سوال کر کے ان کے حکم کی تقلید کرو۔ یہاں پر لفظ اہل علم مناسب تھا پھر کیا وجہ اہل ذکر فرمایا تو بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل علم میں تو اعلیٰ سے اولیٰ تک یہاں تک کہ نجات المؤمنین یا تفسیر ثانی پرچہ کر بھی قدم نکا سکتا ہے۔ مگر اہل ذکر کا اطلاق ایسا عام نہیں بلکہ اہل ذکر سے وہی مراد ہے جن کو لاولی الامر والابصار کہا گیا ہے وما یذکر الا اولوا الالباب (پارہ ۳، سورہ آل عمران آیت ۷)

انما یفد کر اولوا الالباب ط (پارہ ۱۳، سورہ الرعد، آیت ۱۹)

فاعتبروا یا اولی الابصار ط (پارہ ۲۸، سورہ حشر، آیت ۲)

اس تیسری آیت کی تفسیر اگر ضرورت ہو تو تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۵ اور تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۳۷ اور تفسیر مدارک جلد دوم صفحہ ۵۷ میں ملاحظہ کریں۔ ان تفسیروں میں آیت مذکورہ سے قیاس کو دلیل شرعی ٹھہرایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اہل ذکر لاولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں اور آیت مذکورہ نمبر ۵ میں دو شخصوں کا ذکر ہے۔ اس مضمون کو اس آیت میں اور طرح پر بیان فرمایا ہے۔

حکایة عن اهل النار: قالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی

اصحاب السبعیر۔ (پارہ ۲۹، سورہ ملک، آیت ۱۰)

دوزخی کہے گے کہ کاش اگر ہم اہل ذکر اہل عقل کی باتیں سن کر عمل کرتے یا خود ایسی عقل و سمجھ ہوتی تو آج دوزخ میں کیوں جاتے۔ چونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں۔

یا عالم ہے یا جاہل۔ اگر عالم ہے تو اس پر علم کی اتباع فرض ہے۔ اگر جاہل ہے تو عالم کی تقلید فرض ہے اور مسائل بے علم کا کوئی حق نہیں کہ اپنے امام کے ساتھ مجادلہ و مقابلہ کرے۔ کیونکہ یہ جاہل صرف مامور ہے سوال کر کے اتباع کرنے پر نہ تنازع و مجادلہ پر۔ اور جاہل کے بالمقابل اگرچہ عالم کا لفظ ہے لیکن عالم سے مطلقاً مراد اہل ذکر ہیں اور اہل ذکر مجتہد ہے جو کہ جامع ہے مسائل اصولیہ و اعتقادیہ و فرعیہ کا۔ اگر بلوغ الحرام یا چند آیتیں یاد کر کے مفتی قاضی بننے کا شوق ہے آئمہ مجتہدین کی ہمسری مقصود ہے تو یہ اور بات ہے۔ مگر شرع شریف میں ایسے ایسے لوگوں کا خیال یا رائے مردود و باطل ہے۔ چنانچہ یہ حدیثیں اس پر دال ہیں۔

من قال فی القرآن براہ فاصاب فقد اخطا (رواہ الترمذی و ابوداؤد)  
یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہا پھر وہ صواب پر بھی ہے پس تحقیق اس نے قصداً خطا کی۔

من فسر القرآن براہ فلیتوا مقعناہ فی النار۔ (رواہ ابوداؤد)  
یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی پس سب شک اس نے تیار کیا اپنا گھر دوزخ میں۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتوا من النار۔ (رواہ الترمذی)  
یعنی جس نے قرآن میں کچھ کہا حالانکہ اس کو علم بھی نہیں۔ پس اس نے دوزخ میں اپنا گھر بنایا۔

إذا لم یبق عالماً اتخذوا الناس رؤسا جھالاً فستلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (متفق علیہ)

یعنی قیامت کی علامت ہے کہ رئیس لوگ مفتی کہلائیں گے۔ حالانکہ بے علم

ہوں گے اور جاہل عالم کو مفتی نہیں بنائیں گے بلکہ دنیا داروں و مالداروں کو مفتی سمجھ کر ان سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کریں گے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔  
من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ (الحدیث، رواہ ابوداؤد)  
یعنی جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا پس جو گناہ اس فتویٰ کے ذریعہ جاری ہوگا اس کا وبال اس مفتی بے علم پر ہے۔

یہ حدیثیں اگرچہ عام طور پر دال ہیں لیکن مجتہدین کے بالمقابل غیر مجتہد بمنزل بے علم ہی ہے۔ پس مجتہدین کو چھوڑ کر معمولی لوگوں کے اقوال پر عمل کرنا یا کرنا قصداً وہ ان حدیثوں کا مصداق ہے۔ ماقی تشریح احادیث مذکورہ کی سمرقات و لمعات وغیرہ میں دیکھ لیں۔ پس قرآن کے تفسیر و معانی جب تک آئمہ دین سے مروی نہ ہوں تب تک وہ تفسیر مقبول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید احمد خاں نیچری پر۔ مرزا قادیانی پر۔ شاء اللہ امرتسری پر بوج غلط و تفسیر بالرای کے باعث کفر و زندقہ الحاد و مبتدعہ کے فتاویٰ لک گئے۔ کیونکہ ان کی تفسیریں خلاف اہلسنت و جماعت ہیں۔ ان کی تفسیروں کا مشاء و متی ہے کہ حدیث کچھ نہیں حدیث کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب قرآن ہر جگہ اپنی خود تفسیر کرتا ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے پہل جب حضرات اہلسنت تفسیروں میں حضرات اہل اللہ و آئمہ مجتہدین کے اقوال سے استدلال کرتے تو غیر مقلدین بولتے تھے کہ نہیں جو تفسیر صحابہ سے مروی ہو وہ مقبول ہے۔ باقی کسی کی جہت نہیں۔ پھر جب مقلدین نے صحابہ کرام سے تفسیریں روایت کیں تو غیر مقلدین نے کہا کہ قول صحابہ جہت ہی نہیں۔ خود حضور علیہ السلام سے جو مروی ہو وہ صحیح ہے۔ پھر جب نیچری علی گڑھ ہی نے خود اپنی رائے و خیال سے غلط تفسیر لکھنی شروع کی تو غیر مقلدین وغیرہ کے منہ میں پانی بھرا آیا کہ ہیں یہ انگریزی خوان و دینی علوم سے ناواقف اس نے اپنی رائے سے تفسیر لکھی تو کیا ہم



اس سے بھی سیاہ دل ہیں۔ اس کو کسی نے کیا کر لیا جو ہم کو کریں گے۔ تو مرزا قادیانی کو اور تو کچھ علم و عقل نہ تھا۔ اس نے صرف البہام بازی و ڈھکوسلہ سازی سے کام لیا۔ چکنر الوی نے صرف اپنے خیال پر وبال سے سلسلہ نیا شروع کیا۔ ثناء اللہ وغیرہ نے دیکھا کہ اوہو یہ تو ہمارا حق تھا اور یہ چھین کر لے گئے۔ پھر اس نے بھی چکنر الوی کی سنت کو اختیار کیا۔ اس پھر کیا تھا بے چارے کی شامت آگئی۔ بڑے بڑے ڈبل فتاووں سے کچل دیا گیا۔ ہاں مولوی ثناء اللہ پر یہ زیادہ ظلم و ظلم ہوا کہ اس کے ہم قوم و ہم عقیدہ و ہم مشرب فرقہ۔ مثلاً محمد حسین بنالوی و مولوی احمد اللہ امرتسری اور جماعت غزنویہ اور حکیم عبدالحق دینا گری وغیرہم نے ثناء اللہ کی تفسیر پر سخت سخت فتاویٰ لکھ دیے۔ یہ کیا سبب۔ صرف وجہ یہ کہ اس نے سخت بے ادبی امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اور دور پر وہ تو ہیں بھی کی رع..... بے ادب محروم شد از فضل رب

ہر چند حضرات حنفیہ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو مروجہ کفر و بدعت سے بچانے میں ابداد کی مگر امرتسر کے غیر مقلدین نے اس کو اہل حدیث و اہلسنت سے خارج کر ہی دیا۔ غرض کہ یہ سب وبال ہے۔ تفسیر بالمرای لکھنے کا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بھی حتیٰ الوسع تفسیر و فتویٰ سے نہایت احتیاط کرتے۔ روایات سے بھی ڈرتے تھے اور جس نے ذرا بھی دست اندازی کی تو اس کا نتیجہ بالکل برانکلا۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب منا حجر فشجه فی راسه فاحتلم قال لا صحابه هل تجدون لی رخصة فی التیسم قالوا ما نجد لك رخصة وانت تقدر علی الماء فاغسل فمات فلما قدمنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنا بذالك قال فتلوه فتلهم اللہ الا سالوا اذا لم یعلموا فاتما شفاء العی السوال۔ (الحديث)

یعنی ایک سفر میں ایک صحابہ کو زخم سر پہنچا۔ رات کو اس کو استلام بھی ہوا۔ صبح کو اپنے ساتھیوں (صحابہ) سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے تیمم کی اجازت ہے۔ صحابہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک کوئی وجہ نہیں کیونکہ پانی تیرے پاس موجود ہے۔ پس اس نے پانی سے نہایا اور مر گیا۔ تب قافلہ نے لوٹ کر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سنائی تو آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا انہوں نے اس کو قتل کیا خدا ان کو ہلاک کرے جبکہ علم نہ تھا کہ کیوں اہل علم سے نہ پوچھا۔

دیکھئے صحابہ کرام جو کہ خدمت اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر باش تھے اور ہر ایک قسم کے احکام بار بار مسوع فرماتے اور خود بھی صالح و عاقل و پرہیزگار تھے اور کوئی شخص و بایوں کی طرح بد نیت ضدی بھی نہ تھا۔ مگر بایں شرافت و صلاحیت چونکہ وہ مجتہد نہ تھے لہذا اجتہاد علیہ السلام کی دعائے بد کے مستحق ہو گئے۔ اگر ان میں کوئی شخص مجتہد ہوتا مثل معاذ ابن جبل و علی مرتضیٰ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے تو کبھی وہ فتویٰ ایسے نہ دیتے اور نہ دعائے بد کے مستحق ہوتے اور اگر فتویٰ دیتے بھی تو دیا ایک اجر کے حق دار ہوتے۔ پس جبکہ بعض صحابہ کرام بھی مفتی و مجتہد نہ بن سکے تو آج کل کے تفسیر محمدی و نہایت المومنین پڑھ کر کیسے مجتہد و مفسر بن گئے۔

ع..... آدمیاں تم شدند و ملک خدا خر گرفت

اس واسطے بار بار تاکید آئی ہے کہ دین سیکھتے ہو تو دیکھ کر سیکھو

عن ابن سیرین قال ان هذا العلم دین فانظر و اعمن تاخذون

دینکم (رواہ مسلم و الداری)

یعنی یہ علم ہی تو دین ہے پس دیکھو کہ کس سے حاصل کرتے ہو۔

اور دوسری جگہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا ابوہریرہ کی اشمری نے

لا تستلونی ما دام هذا الحبر فیکم۔ (مشکوٰۃ)

یعنی جب تک یہ بڑا جید عالم تم میں موجود ہے مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو۔

چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت افتہ و اعلم تھے اور افتہ و اعلم کی بات افضل ہوتی ہے۔ اس لئے خود فتویٰ نہ دیا اور یہ صلحاء و کلماء کی سنت ہے کہ جب کسی کو اپنے سے اعلم و افتہ دیکھتے ہیں تو اس کی کمال عزت و عظمت سے قدر افزائی اور ادب کرتے ہیں، نہ اس کی زندگی میں صرف بلکہ بعد از وفات بھی۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب وہ قبر مکرم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر پہنچے تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت ترک کر دی حالانکہ مذہب شافعی میں وہ واجب تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رفع یدین ترک کیا۔ جب آپ سے کسی نے وجہ ترک دریافت کی تو فرمایا: ادبنا مع هذا الامام اکثر من ان نظهر خلافه بحضرته۔ (الخ (مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ)

یعنی ادب کرتا ہوں اس امام سے اس بات سے کہ اس کی حاضری میں اس کے مذہب کے خلاف کام کروں۔ یہ تھی عظمت و شان امام کی بعد از وفات بھی۔ کوئی مجتہد آپ کی قبر مبارک کے پاس جرأت خلاف کی نہ کرتا اور یہ خلوص و تقویٰ امام شافعی کا کہ آپ کو قبر میں زندہ سمجھ کر مذہب امام کے خلاف کام نہ کیا۔ اب کہاں ہیں؟ وہ بے دین جو بار بار کہا کرتے ہیں کہ امام صاحب کے سیکڑوں مسئلہ خلاف قرآن و حدیث میں فلعنہ ربنا اعداد دمل علی من رد قول ابی حنیفہ لقد زان البلاد و من علیہا امام المسلمین ابو حنیفہ غرضہ بلافتہ و تفقہ بالطنی تفسیریں بنانا سر اسر نقصان کا موجب ہیں اور فقہ شریف کی فصیلت ابن حجر نے خیرات الحسان فصل ۲۶ میں اور ترمذی نے باب الجنائز

میں اور رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ میں خوب لکھی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے۔

من یرد اللہ بہ خیر یرفقہ فی الدین۔ (رواہ البخاری)

یعنی جس کو خدا بہتر کرنا چاہتا ہے تو اس کو فقیہ و مجتہد بناتا ہے۔

پس ایسی واسطے مجتہد و فقیہ کی تقلید واجب ہے۔

اب ناظرین کو پھر متوجہ کرتا ہوں کہ سائل جب حسب الحکم فاسئلوا اہل الذکور کے مسئلہ کا سوال کرے گا تو کس سے کرے۔ اہل ذکر تو برا کہ مذہب رافضی، خارجی، مرزائی، معتزلہ، قدریہ وغیرہم میں ہو سکتے ہیں تو فرماؤ سائل کیا کرے۔ اگر کل اہل ذکر سے سوال کیا تو بوجہ جوابات مختلفہ ملنے کے طبیعت سخت پریشان ہوگی۔ پھر بعد از حصول جوابات تین صورتیں ہیں۔

(۱) یا اپنے تفقہ و اجتہاد سے کام لے گا۔

(۲) اگر مجتہد و فقیہ نہیں تو کسی مجتہد کا مقلد ہوگا۔

(۳) یا طغ و مذہب ہوگا۔

یعنی کبھی ایک حلال کبھی وہی حرام، کبھی وہی گناہ کبھی وہی ثواب۔ چنانچہ دیکھو مقدمہ امر پانزدہم۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کو ایک مذہب کا مقلد بننا لازم ہے تاکہ اتفاق و اختلاف سے بچ کر اطمینان قلبی و تسکین روحی حاصل کرے۔ پھر مجتہد خواہ صواب پر ہو خواہ خطا پر مقلد کے حق بہر حال بہتر ہے۔ چنانچہ شاہ عید العزیز صاحب محدث ویلوی کتاب تحفہ اثنا عشریہ باب الیمن لکھتے ہیں:

مجتہد را تقلید دلیل خود ضرور است و اجتہاد و مجتہد احتمال خطا دارد۔ مجتہد بر خطا معاتب نیست بلکہ ما دور نیک اجراست چنانچہ در معالم الاصل شیعہ نیز بایں تصریح نمودہ۔ پس خطا، متمثل اور رنگ صواب متیقن شد کہ اصلاً غول و حطرت ندارد۔ در حق

اور نہ در حق مقلد او۔ الخ۔ (پس واجب ہوئی تقلید ایک امام کی)

اللهم ثبتنا علی مذهب ابی حنیفة۔ آمین

=====

## چھٹی دلیل وجوب تقلید پر

قوله تعالى: انما النسي زيادة في الكفر بضل به الذين كفروا  
يحلونه عاما ويحرمونه عاما۔ (پارہ ۱۰ سورۃ توبہ، آیت نمبر ۳۷)

یعنی اس کے سوا نہیں کہ تاخیر کرنا پڑھاتا ہے کفر میں اور یہ سب اس کے کفر  
ہوئے دو کافر۔ حلال جانتے ہیں ایک سال اس کو پھر حرام جانتے ہیں ایک سال اسی کو

اب خیال کرنا چاہیے کہ ایک چیز کو ایک وقت حلال سمجھنا پھر دوسرے وقت اسی  
کو حرام سمجھنا۔ یہ صریح مشابہت ہے کفار کے ساتھ اور یہ کس کو حاصل ہے جو کہ وہ مذہبوں  
کی سیر کرتا ہے۔ بین بین چلتا ہے اسی واسطے حضرات فقہاء و ارباب اصول نے سب  
مذہب پر عمل کرنے سے منع کیا ہے اور ایک ہی مذہب کی تقلید کو لازم پکڑا ہے۔

اول: چنانچہ حضرت شیخ ابن ہمام نے تحریر الاصول میں اور شیخ ابن حایب نے مختصر  
الاصول میں اور قاضی مضد الدین مختصر الاصول میں اور صاحب درمختار نے درمختار میں  
بالفاظ مختلفہ یوں تصریح کی ہے۔

ان الرجوع عن التقليد بعد العمل ممنوع بالاتفاق

اور کہا صاحب بحر الرائق نے رسالہ زہدییہ میں

فوجب علی مقلد ابی حنیفة العمل به ولا يجوز له العمل بقول

غیره کما نقل الشیخ قاسم فی تصحیحه عن جمیع الاصولیین انه لا

یصح الرجوع عن التقليد بعد العمل بالاتفاق۔

یعنی اجتماع و اتفاق ہے کہ بعد از عمل کرنے کے تقلید سے پھر جانا باطل و ناجائز  
ہے اور حقیقی پر واجب ہے کہ اپنے امام کے قول پر عمل کرنا نہ کسی اور کے۔

دوم: کہا عبد البر مالکی نے ان تتبع رخص المذاهب غیر جائز بالاجماع  
ذکرہ مسلم الثبوت

یعنی ہر ایک مذہب سے حلالی حلال اور جائز جائز و ہونہ منع ہے یا ایسا ہے۔  
سوم: کتاب حج الحجاء میں (بوسحاہ ستہ کی معتبر شرح ہے) لکھا ہے۔

لكن منعه الاصوليون للمصلحة وحكي عن بعض الائمة ان من  
اختار من كل مذهب ما هو اهوون يفسق۔

یعنی ہر مذہب پر چلنا اور یا ہر مذہب سے تھوڑا تھوڑا لینا آسان آسان لینا  
قاسم کا طریقہ ہے۔

چہارم: امام شعرانی مالکی اپنی کتاب میزان میں لکھتے ہیں

سمعت سيدى عليا الخواص رحمة الله عليه فيقول امر علماء

الشريعة بالتزام مذهب معين تقريرا للطريق ط

یعنی فرمایا حضرت زبدۃ العارفین شیخ زمان علی خواص علیہ الرحمۃ نے (جو امام  
شعرانی کے پیرو ہیں) کہ علماء شرع کا حکم ہے اور راستہ حق کے قریب ہونے کے واسطے  
ایک مذہب معین پکڑنا لازم ہے۔

ختم شامہ فی القدیمت و ہوی رسالہ انصاف میں لکھتے:

بعد المائتين ظهر فيهم المذهب للمجتهدين باعنائهم وتايد من

كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب في

ذلك الزمان۔



یعنی دوسو برس کے بعد مجتہدین کے مذہب پکڑنے کا التزام ہوا اور یہ مذہب پکڑنا واجب تھا اور کوئی شاذ و نادر تھا جو باہر رہ گیا تھا۔ ورنہ سب لوگ مقلد ہو گئے تھے۔

ف: حضرت امام اعظم تاجی رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں دیگر آئمہ کی تحقیق و تدقیق کی اشاعت ناکمل ہوئی اور دوسو برس تک کل مسائل تحریری و تقریری کی شہرت تام و قیوایت عام ہو گئی اور مسائل اصولی و فروعی کل قائم بند و مدون ہو گئے۔ بعد ازاں علماء دین و مامیان اسلام نے اجماع کر لیا کہ آئمہ اربعہ کی تقلید سے جو خارج ہے وہ مخالف ہے۔ پس کوئی کوئی شخص شاؤ و نادرا ایسا رہ گیا کہ تقلید پر عامل نہ ہو۔ ورنہ سب مسلمان تقلید پر مجتمع ہو گئے۔

پس جبکہ ثابت ہوا، جماع امت تقلید پر (جیسا کہ مذکور ہوا) تو اب ہم کہتے ہیں کہ مسائل اسلامیہ تو ابراہانیہ ہیں یا انتلافیہ۔ اگر ہیں اجماعیہ تو ان کا اتباع واجب ہے، بالا جماع اور اگر ہیں انتلافیہ تو مقلد کے واسطے دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اختیار کرے گا سیر ہر مذہب کی اور اور کرے گا کبھی حلت سے طرف حرمت کی اور کبھی حرمت سے طرف حلت کی۔ یعنی کبھی ایب کو محال پھر اسی کو حرام سمجھے گا۔ جیسا کہ مقدمہ امر پانزدہم میں گزر گیا۔ یا ایب مذہب کا مقلد ہوگا۔ پھر اگر مقلد صورت اول میں یعنی ہر دین کا چمپا کبھی ادھر کبھی ادھر تو یہ باطل ساتھ آیت مذکورہ کے اور یہ دو حدیثیں بھی اسی کی مذمت میں ہیں۔

مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين تعرالى هذه مرة  
والى هذه مرة (رواه مسلم)

یعنی منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو کہ دو ریڑھوں (دو جماعتوں) کے درمیان چلتی ہے کبھی اس طرف کئی کبھی اس طرف آئی۔

دوسری حدیث ان شر الناس ذوالوجهین الذی یتاتی ہولاء بوجه  
وہولاء بوجه۔ (رواہ البخاری)

یعنی دو رخ آدی ( ہوا ایک رخ تو ایک جماعت کی طرف اور ایک رخ دوسری جماعت کی طرف رکھتا ہے ) بدتر ہے سب آدمیوں سے اور اگر مقلد ہے صورت ثانیہ میں یعنی ایک کا مقلد تو ثابت ہوئی تعین ایسا مذہب کی اور باطل ہوئی تائقی یعنی دو چار مذاہب پر چلنا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ تائقی یا توڑے گا تقلید کرنے سے پہلے یا بعد از اختیار کرنے تقلید کے۔ پھر اگر تائقی کرنے کا چھپ چھل کرنے کے تو باطل ہے ساتھ ایمان کے جو کہ اوپر منع ہوئے رجوع کے بعد از تقلید کے منعقد ہوا ہے اور اگر تائقی کرنے کا پہلے تو یہ ہے باطل ساتھ اس ایمان کے جو منعقد ہوا ہے اوپر منع ہونے سے قطعاً نہیں مذہب سے اور اگر جائز ہو تائقی تو لازم آئے گا اس میں شیعہ رخص مذاہب کا اور وہ ناجائز ہے بالاجماع۔ پس باطل ہوئی تائقی یعنی وہ مذہبوں پر چلنا۔

ہم اس مضمون کو پھر اور بھی تشریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ صورت بیان یہ ہے کہ جملہ مجتہدین جمع ہو سکتے ہیں۔ مسائل اجتہاد یہ اختلافیہ میں از روئے اعتقاد و اعمال کے بایں طور پر فلاں فلاں چیزیں حلال اور فلاں فلاں حلال۔ پھر اگر جائز ہو تلفیق اور تتبع رخصت مذہب یعنی ہر ایک مذہب پر عمل کرنا تو اٹھ جانے کی ملت و حرمت تمام جہان سے اور اجتماع ہو جائے گا۔ انویات اور بے ہودہ گوئی پر یعنی کوئی چیز حلال و حرام ثابت نہ ہوگی بلکہ انسان آزادانہ لے لے کر ایسی چیز کو حلال پھر ایسی کو حرام کہے گا۔ لہذا یہ تلفیق و رخصت مذہب باطل ہے اور تقلید شخصی واجب ہے، چنانچہ حضرات علماء دین نے بھی فیصلہ کر دیا ہے۔

ششم: ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے سالہایح کا کتبہء میں لکھا ہے:

بل وجب علیہ ان یعین مذهباً من هذه المذاهب -

یعنی واجب ہے انسان پر کہ اپنے لئے ایک خاص مذہب مقرر کرے۔

ہفتم: تفسیر احمدی میں لکھا ہے

اذا التزم مذهباً یجب علیہ ان یدوم مذهباً التزمہ ولا ینقل عنہ  
الی مذهب اخر الخ -

یعنی جس وقت کوئی شخص کسی مذہب کو تو اس پر لازم و واجب ہے  
کہ اس مذہب پر دائم قائم رہے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر نہ چلے۔

دہم: فرمایا صاحب الہدایہ نے باب الوتر میں:

واذا علم المقتدی منہ ما یزعم فساد صلواتہ کالفصد وغیرہ لا  
یحوز بہ الا قتداء -

یعنی جب مقتدی کو معلوم ہو جائے کہ امام میں مفید صلوة (تکبیر و تسبیح وغیرہ)  
کی وجہ موجود ہے تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔

یا زوہم: فرمایا امام طحاوی نے شرح در مختار میں باب بحث متفق میں

قال صاحب الہدایہ فی التجنیس الواجب عندی ان یفتی بقول  
ابیحنیفہ علی کل حال

یعنی واجب ہے کہ ہمیشہ ہر حال امام اعظم کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے۔

دوازدہم: فرمایا شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں:

فہذا ظہر ان الصواب ما ذهب الیہ ابو حنیفہ وان العمل علی  
مقلد واجب والا فتاء بغيرہ لا یجوز لہم -

یعنی بات وہی سوابق ہے جس پر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور مقلد کو  
سوائے قول امام کے غیر کے قول پر فتویٰ دینا منع ہے۔

سیز دہم: فتاویٰ مالکیری باب التری میں ہے

حنفی ارتحل الی مذهب الشافعی بعذر کذا فی ہواہر  
الاخلاطی

یعنی اگر کوئی شخص حنفی مذہب سے ہٹ کر مذہب شافعی میں گیا تو اس کو قزیر دینا ہے۔

چہار دہم: اور کہا امام نووی نے شرح اشباہ والنظائر میں

وفی الفتح قالوا ان المنقل مذهب الی مذهب بالا جتہاد  
والبرہان اثم ولیستوحب التعزیر فیلا اجتہاد و برہان اولی -

یعنی کتاب الفتح میں ہے کہ اگر علماء دین نے کہ تحقیق ایک مذہب سے ہٹ کر  
دوسرے مذہب چلنے والے ہو تو قزیر دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ گمراہ ہے اگرچہ ساتھ  
دلیل و برہان کے ہو پھر نادان یا ممال ہے۔

پانزدہم: فرمایا حضرت امام قسطلانی نے تقایید شریعہ کی کتاب القسناء میں ہے

قال ابو بکر الرازی او قضی بخلاف مذهبہ مع العلم لم یجوز فی  
قولہم جمیعاً -

یعنی جان بوجہ اگر قضی اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ دے تو ناجائز ہے۔

شانزدہم: کتاب شرح مسلم الثبوت نے صفحہ ۶۲۲ میں ہے

غیر المجتہد المطلق و لو کان عالماً یلزمہ التقليد المجتہد ما  
یعنی غیر مجتہد اگرچہ عالم ہی ہو اس پر تقلید کسی مجتہد کی ضرور ہے۔

ہفتہ ہم امام شہرانی میزان کے صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں

فان قلت فهل يجب على المجتوب عن الاطلاع على العين  
الاولى الشريعة التقليد بمذهب معين فالجواب يجب عليه ذلك لئلا  
يضل نفسه و يضل غيره -

یعنی جو شخص غیر مجتہد ہے اس پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے تاکہ نہ وہ گمراہ ہو نہ  
دوسروں کو گمراہ کرے۔

ہشتم رد المحتار جلد چہارم صفحہ ۲۸۲ میں ہے۔

ليس للعامة ان يتحول من مذهب الى مذهب و يستوى فيه  
الحنفي و الشافعي -

یعنی عامی غیر مجتہد کو ہمارے نہیں کہ ایک مذہب چھوڑے دوسرا پکڑے۔

نوزدہم: امام ملا علی قاری مایۃ الرمۃ شرح بین الاطعم میں لکھتے ہیں

فلو التزم احد مذہبا كما بيحنيفة و الشافعي فلا يقلد غيره  
مسئلة من المسائل -

یعنی اگر کسی شخص نے ایک مذہب کو لازم پکڑا تو اس مذہب پر وہ لازم رہے اور  
کسی مسئلہ میں غیر کی تقلید نہ کرے۔

یستم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رسالہ عقد الجید میں لکھتے ہیں

اذ لم يجتمع الات الاحتهاد لا يجوز له العمل على الحديث  
بخلاف مذهبه لانه لا يدري منسوخ ماول او محكم على ظاهره و مال

الى هذا القول ابن حاجب في مختصره و تابعوه ط

یعنی جب تک اسباب احتہاد کے میسر نہ ہوں تو غیر مجتہد کو پس منہ رکھنا چاہیے۔

نہیں اور اس سے پہلے ایک جگہ امام ابو نعیم سے یوں نقل کرتے ہیں:

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليد فيما يعين له الجواب -

یعنی جو شخص شرطوں کا جامع نہیں تقلید غیر کی (جو جامع ہے) کرنی چاہیے۔

بست وکیم: کتاب میزان الخضر کی میں ہے:

فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على كل ضعيف و قاصر النظر

یعنی تحقیق علماء نے اس پر تصریح کی ہے کہ تقلید ہر اک ضعیف پر واجب ہے۔

بست و دوم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں رسالہ فیوض الحرمین میں:

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المذهب الحنفي

طريقة انيقة و هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت و نفخت

في زمان البخاري و اصحابه -

یعنی امام بخاری کے وقت میں جس قدر طرق و مذاہب تھے ان سب سے زیادہ

موافق ساتھ سنت کے طریقہ حنفی چہاوریہ معرفت مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے کرائی ہے۔

بست و سوم: حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے

ہیں: کہ حضرت یحییٰ معاذ رازی نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کر کے عرض کی:

اين اطلبك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عند علم

ابيحنيفة -

یعنی آپ کو کہاں پاؤں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے علم میں

بست و چہارم: صاحب تحریر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

لا يرجع عما قلد فيه اى عمل به اتفاقا -



یعنی جس مذہب میں کوئی شخص مقلد ہو تو نہ لے اس سے بالاتفاق

بست و پنجم: فرمایا حضرت علامہ مولانا عبدالسلام نے شرح جوہرہ میں:

ان عقد الاجمہ علی ان من قلد فی الفروع و مسائل الاجتہاد  
واحدا من هؤلاء ہری عن عہدۃ التکلیف بہ فیما قلد فیہ۔

یعنی جس نے آئمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی تو وہ شخص عہدہ  
تکلیف سے ہری ہو گیا بالا جماع۔

بست و ششم: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ مہدو معاد میں لکھتے ہیں:  
آخر الامر اللہ تعالیٰ ہرکت رعایت مذہب کے نقل از مذہب الحاد است حقیقت  
مذہب خفی در ترک قرۃ تاموم ظاہر ساخت۔ الخ۔

خلاصہ یہ کہ ایک مذہب سے نکلنا دوسرے میں جانا الحاد (بے دینی) ہے  
چنانچہ اوپر چوتھی دلیل میں حدیث بستم کے ذیل میں مرقوم ہے۔

بست و ہفتم: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی تفسیر میں بذیل آیت فلا  
تجعلوا للہ انداداً لکھتے ہیں:

کسانیکہ اطاعت آنہا بیکم خدا فرض است شش گروہ اند۔ از انجملہ مہتدان  
شریعت و مشایخان طریقت۔ الخ۔

بست و ہشتم: حضرت امام غزالی کتاب کیمیائے سعادت باب بحث آداب الامر میں  
لکھتے ہیں:

مخالف صاحب مذہب خود گردن نزدیچ کس روانا باشد۔ الخ۔

یعنی کسی شخص کے نزدیک اپنے امام کے مذہب کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

بست و نہم: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر سعادت میں تحریر فرماتے ہیں

خانہ دین این چہار اند۔ ہر کہ را ہے ازیں راہ ہادی ازیں در ہا گرفت اختیار  
نمود و براہ دیگر رفتن دور و بگر رفتن عبث و لہو باشد۔ و کار خانہ عمل را از ضبط و ربط بیرون  
افگندن است و از راہ مصلحت بیرون افتادن است۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: "قرارداد  
علماء و مصلحت دید ایشان در آخر زمان تعیین مذہب است و ضبط و ربط کار دین و دنیا ہم دریں  
صورت بود از دل مخیر است کہ ہر کدام راہ کہ اختیار کند صورتے دارد۔ لیکن بعد از اختیار  
یکے بجانب دیگر رفتن تو ہم سوظن و تفرق و تشتت و اطمینان و احوال نخواہد بود قرارداد  
متاخرین علماء است و ہوا الخیر و فیہ الخیر۔"

یعنی خلاصہ یہ کہ بار بار نیا مذہب پکڑنا ایک کو ترک کرنا دوسرے کو لینا خلاف  
مصلحت اور خارج از خیریت ہے اور اس میں سراسر بدظنی اور تفریق و نفاق اور دین میں  
کھیل ہے جو کہ حرام ہے۔ ایک ہی مذہب پر قائم رہنا نہایت ہی بہتر اور نیک انجام ہے  
سی ام: امام عینی نے شرح کنز میں لکھا ہے:

قال البزدوی فی اصولہ اجمع العلماء و الفقہاء علی ان المفتی  
وجب ان یکون من اہل الاجتہاد وان لم یکن من اہل الاجتہاد فلا  
تحل لہ ان یفتی الا بطریق الحکایۃ۔

یعنی فی الاصل مفتی تو مجتہد ہی ہے۔ غیر مجتہد کا کام فتوے دینا نہیں مگر بطریق  
حکایت یعنی کسی امام کے قول کے موافق ہو۔

سی و یکم: قال فی الفتاویٰ الظہیریۃ فی کتاب القضاء اجمع الفقہاء علی  
ان المفتی وجب ان یکون من اہل الاجتہاد وان لم یکن من اہل

الاجتهاد وفلا تحل له ان يفتي الا بطريق الحكاية.

یعنی غیر مجتہد کو فتویٰ دینا حرام ہے مگر بطور نقل و حکایت۔

کی وروم فی فصولا لعمادیة وان لم یکن من اهل الاجتهاد فلا تحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة۔

یعنی غیر مجتہد جب تک کسی مجتہد کامل کے قول سے فتویٰ نہ دے تب تک حرام ہے اس کو فتویٰ دینا۔

کی وروم: قال الامام الاسفرانی فی شرح منهاج الاصول انهم اجمعوا الی ان العامی لا یجوز له ان یفتی الا من غلب علی ظنه انه اهل الاجتهاد یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عامی غیر مجتہد کو جائز نہیں کہ فتویٰ دے مگر جس پر مجتہد ہونے کا یقین ہو اس کے قول سے فتویٰ دے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری، کتاب القاضی باب ہشتم میں بھی بیان ہے۔

کی وچہارم: فرمایا امام غزالی نے ارکان امر معروف و نہی عن المنکر میں:

علی کل مقلد اتباع مقلده من کل تفصیل فاذا مخالفة المقلد متفق علی کونه منکر ابین المحصلین ط

یعنی مقلد پر اپنے امام کی متابعت ہر مسئلہ میں لازم ہے اور امام کے خلاف کرنا سخت گناہ ہے۔

کی وپنجم: مختصر الوقایہ کی کتاب الاثر بہ امام قہستانی کا قول ہے:

واعلم من جعل الحق متعددًا کالمعتزلة اثبت للعامی الاختیار فی الاخذ من کل مذهب ما یہواہ. ومن جعل الحق واحدا کعلما لنا

النزم للعامی اماما کما فی الكشف فلو اخذ من کل مذهب مباحه فصار فاسقا کما فی الشرح الطحاوی للفقہ سعید ابن مسعود۔

یعنی جان تو کہ جس نے معتزلہ کی طرح سب مذہبوں کو حق کہا تو اس نے ہر اک مسلمان کے واسطے راستہ کھول دیا۔ ہر مذہب سے لینے کا اور جس نے ہمارے اہلسنت کی طرح ایک مذہب کو حق قرار دیا ہے تو اس نے عام کے واسطے ایک ہی مذہب قائم کیا ہے۔ پس جس نے ہر مذہب سے مباح مباح لے لیا تو وہ فاسق ہو گیا۔

سی و ششم: امام شعرانی مالکی میزان میں لکھتے ہیں:

اما من لم یصل الی شہود عین الشریعة الاولى و جیت علیہ التقليد بمذہب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال و علیہ عمل الناس الیوم یعنی جو شخص نہیں پہنچا مرتبہ شہود کو تو اس پر ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے۔ تاکہ گمراہی میں نہ پڑے اور اسی پر کل انسانوں کا عمل ہے۔

ف: مقامات اولیاء اللہ میں سے ایک مقام کا نام مقام شہود ہے۔ ظاہر بینوں کو یہ میسر نہ نصیب نہیں۔

ف: اس قول سے صریح نکلتا ہے کہ تقلید شخصی پر اجماع ہے۔

سی و ہفتم: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں لکھتے ہیں:

المرجع عند الفقہاء ان العامی المنتسب الی مذہب لا یجوز مخالفتہ

یعنی حضرات فقہاء (دین میں عقلمند) کے نزدیک یہی معتبر ہے کہ عامی غیر مجتہد کو اپنے امام کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

ف: یہاں تک تو تقلید شخصی کی پابندی کے اقوال مرقوم ہوئے۔ اب دیکھنا ہے کہ جس قدر اولیاء اصفیاء علماء گزرے ہیں وہ کس قدر مقلد تھے۔  
سی و ہشتم: رد المحتار میں ہے:

وحسبک من مناقبة اشتہار مذهبہ ما قال قولاً الا اخذہ امام  
من الائمة الاعلام وقد جعل اللہ الحکم واتباعہ من زمنہ الی ہذہ الايام  
وقد اتبعہ علی مذهبہ کثیر من الاولیاء الکرام الخ۔ ای فی عامة البلاد  
الاسلام بل کثیر من الاقالیم والبلاد لا يعرف الا مذهبہ کبلا داروم  
والہند والسند وما وراء النہر و سمرقند۔ الخ۔ وقولہ زمنہ الی ہذہ  
الایام فالدولة العباسیة وان کان مذهبہم مذهب جدهم فاكثر قضا تھا و  
مناخ اسلامہا حنفیہ یتظہر ذالک لمن تضح کتب التواریخ و کان  
مئذہ ملکہم خمس مائۃ سنۃ تقریباً واما الملوک السلاجقیون و بعد  
ہم الخوارزمیون فکلہم حنفیون و قضاۃ مالکہم غالباً حنفیہ۔ الخ

یعنی حضرت امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد کروڑ ہا اولیاء و علماء  
مشائخین ہیں۔ چنانچہ سلطنت عباسیہ پانچو برس رہی جس میں کل قاضی و مفتی و صوفیا  
وغیر ہم حنفی تھے اور پادشاہان ملوک و خوارزمیون تو سب ہی حنفی تھے اور اب بھی تمام  
بلاد اسلامیہ جیسا روم و شام بلخ بخارا و افغانستان و سمرقند و ماوراء النہر و ہند و سندھ کے  
مسلمان دو حصوں سے زیادہ حنفی ہیں اور ایک حصہ میں سے دو ثلث دیگر مقلدین اور ایک  
ثلث میں گمراہ فرقے مثل وہابی و نچری و مرزائی وغیرہ ہیں۔

سی و نهم: علامہ محمد ظاہر صاحب حنفی خاتمہ مجمع البحار میں (جو صحاح ستہ کی معتبر شرح ہے) لکھتے ہیں:

ویدل علیہ ما یسر اللہ نہ من الذکر المنتشر فی الافانی فلولہ  
یکن اللہ تعالیٰ سرفیہ۔ لما جمع شطو الاسلام علی تقلیدہ۔  
یعنی خدا نے جو حضرت امام العالم امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید پر بڑا کامل  
حصہ قائم کیا ہے اس میں ضرور کچھ حکمت الہی و بھید پوشیدہ ہے۔  
چہلم: امام شعرانی مالکی میزان میں لکھتے ہیں:

فلا ینبغی لاحد الاعتراض علیہ (ای علی ابی حنیفہ) لکونہ  
من اجل الائمة و اقد مهم تدوینا للمذهب و اقربہم سندا الی النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم و مشاہد افعال اکابر التابعین و کان متقیدا  
بالکتاب و السنۃ و متبیراً من الراۃ۔ الخ  
یعنی کسی کو لائق اور جائز نہیں کہ امام اعظم پر اعتراض کرے کیونکہ وہ اماموں  
کے سردار و بزرگ ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں سنداً اور اکابر تابعین کے  
حالات و افعال کو ملاحظہ کرنے والے ہیں اور قرآن و حدیث کے سخت پابند ہیں اور اپنی  
رائے اور خیال سے بچنے والے ہیں۔

ف: دیکھئے یہ ایمان ہے دیگر مذاہب کے محدثین کا۔

چہلم و یکم: حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ میں (جو نقال نقال کا جواب ہے)  
لکھتے ہیں:

واتباع ابی حنیفہ قد یمما و حدیثا ففی الا زیاد فی جمیع البلاد  
سیمما فی بلاد الروم و ما وراء النہر و ولایۃ الہند و السند و اکثر اہل

لے تعمیر احمدی میں ہے ان انحصار المذاهب فی الاربع و اتباعہم فضل لہی و قبولیہ من اللہ



خراسان و عراق معه وجودته کثیرین فی بلاد العرب بالاتفاق واطن انهم  
یکونون ثلثی المسلمین بل اکثر عند المهند سین بالاتفاق مع ان سلاطین فی  
کل زمان و مکان ثابتون علی مذهب النعمان فی کل عصر و دهر

یعنی جس قدر بلاد اسلامیہ و غیر اسلامیہ مانند عرب و روم و مصر و خراسان و  
افغانستان و ہند و سندھ و کشمیر و غیرہ کل روئے زمین کے اہل اسلام دو حصے سے زیادہ حنفی  
المدھب تھے اور اب بھی ہیں۔ خواہ وہ امراء و سلاطین ہوں خواہ اہل علم خواہ عام اہل  
اسلام۔ اب غیر مقلدوں کے منہ کو کوئی لگام دے تاکہ کل اہل اسلام کو کافر و مشرک نہ  
بنائیں اور اپنا ایمان برباد نہ کریں۔ اللھم ثبتنا علی متابعة ابي حنیفة رضی اللہ عنہ  
چہل و دوم: حضرت امام ربانی قطب دورانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ  
اپنے مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں:

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوئی است کہ بہ برکت ورع و تقویٰ و دولت  
متابعت سنت درجہ علیا در اجتناب و استنباط یافتہ است کہ دیگر اس در فہم او عاجز اند و مجتہدات  
اور ابواسطہ وقت معانی مخالف کتاب و سنت دانند و اور اصحاب الراۃ پندارند کل ذالک  
العدم الوصول الی حقیقہ علمہ و درایتہ و عدم الاطلاع علی فہمہ و فراستہ مگر امام شافعی علیہ الرحمۃ  
از فقاہت او علیہ الرضوان ثمرہ یافت کہ گفت الفقہاء کلھم عیال اتخصیص فی الفقہ بواسطہ  
ہمیں مناسبت کہ روح اللہ وارد تواند بود آنچہ حضرت خولید محمد یار صاحب در فصول نوشتہ  
است کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول بہ مذھب امام ابو حنیفہ حکم و عمل خواہد کرد الخ۔

الغرض تمام دنیا کے اولیاء و علماء و صلحاء اکثر سے زیادہ حضرت امام کے مذھب  
پر ہیں۔ پھر نہ معلوم کہ غیر مقلد کیوں ان کے دشمن بن گئے اور امام ربانی نے خوب دلائل  
کثیرہ معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ تقلید امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دیگر آئمہ سے بہتر و نفع

ہے اور طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے افضل و اکمل و اقرب ہے۔ چنانچہ دیکھو  
مکتوبات شریف امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۲۳۳ و ۲۶۹ و ۲۷۱ و ۲۸۱ و ۳۱۱ و غیرہ۔  
الحمد لله الذي ارشدنا الى افضل الطريقة النقشبندية.

=====

## ساتویں دلیل وجوب تقلید پر

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله  
(پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳۵)

(۱) یعنی اے ایماندارو تقویٰ اختیار کرو۔

(۲) اور وسیلہ تلاش کرو خدا کی طرف۔

(۳) مجاہدہ و کوشش کرو۔

(۴) تاکہ ان چیزوں کے باعث تمہاری نجات ہو۔

اس آیت میں خدا نے بعد از تقویٰ وسیلہ تلاش کرنا

واجب کیا ہے جس سے باوجود عامل و عالم ہونے کے بھی وسیلہ کی سخت  
ضرورت ثابت ہوتی ہے اور بلا وسیلہ نجات کامل بھی ملنا مشکل ہے۔ اب وسیلہ کے معنی  
بھی یاد کر لیں صراح میں ہے:-

وسیلہ سبب گرفتن و توسل نزدیکی جستن پیچھے

اور فتح الباری شرح البخاری میں ہے:

ہی ما يتقرب به الى الكبير يقال توسلت اى تقربت۔

اور لبید شاعر کا یہ شعر ہے:

ارای الناس لا يدرون ما قدر امرهم

الا كل دى لب الى الله واسل

اور تفسیر جلالین میں ہے۔

الوسيلة ما يتقربكم الله من طاعة

اور تفسیر بیضاوی میں ہے۔

الوسيلة ما تتوسلون به الى ثوابه والزلفى منه الخ۔

غرضلہ وسیلہ کے معنی ہیں سبب اور قرب حق اور نزدیکی تلاش کرنا اور جو چیز بندہ کو خدا کے قریب کرے۔ چھوٹے کا بزرگ تک پہنچنا۔ اور یہ امر سوائے تقلید مجتہدین و بیعت مشائخین کے نہایت مشکل ہے۔ تقریر اس کی یوں ہے کہ جس قدر معاملات اور عبادات ہیں خواہ ظاہری خواہ باطنی ان سب کی صحت و ہئیت موقوف ہے۔ علوم شرعیہ پر اور علوم شرعیہ کی تحقیق و تصدیق اور تنقید و تحقیق اور طریق تصفیہ و تزکیہ وغیرہ یہ سب موقوف ہیں فی زمانہ موجودہ حضرات امامان دین و صالحین مشائخین پر۔ اگر ان کو چھوڑ کر کوئی کام کرنے کو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ خارج از اہلسنت ہوگا۔ کیونکہ آج کل یہی لوگ ہیں ذرائع اور اسباب تحصیل طاعات و تکمیل عبادات اور ترک منکرات و منہیات کے۔ پس ثابت ہوا کہ تقلید مجتہدین و بیعت صوفیاء صالحین واجب ہے۔

اور اس آیت میں وسیلہ کے معنی ایمان بھی نہیں کیونکہ پہلے خطاب ہی اہل ایمان کو ہے اور اعمال صالحہ بھی مراد نہیں کہ وہ خود تقویٰ میں داخل ہیں اور جہاد بھی مراد نہیں کہ جاد و علیحدہ موجود ہے۔ پس واجب ہوئی تقلید مجتہدین و بیعت مشائخین اس آیت سے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی بذیل آیت فلا یفسر کشاف میں ہے کل ما يتوسل به اى يتقرب من فلة او غير ذالك اور مدارک میں ہے ہل کلمتا يتوسل به الخ۔

تجعلوا لله اندادا لکھتے ہیں۔

کسانیکہ اطاعت آنها بحکم خدا فرض است شش گروہ اند۔ از انجملہ مجتہدان شریعت و مشائخین طریقت۔ الخ۔

اور اسی آیت کی تائید اس دوسری آیت میں یوں ہے۔

ياايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين ط

(پارہ ۱۱، سورۃ توبہ، آیت ۱۱۹)

یعنی اے ایماندارو بعد تقویٰ کے معیت اختیار کرو صادقین کی۔

اب معیت دیکھنا ہے کہ معیت سے مراد کیا مراد ہے۔ بظاہر معیت سے مراد یا محبت و صحبت ہے یا متابعت و تقلید ہے اور ہر دو کا نتیجہ بھی یا تقلید مجتہد ہے یا بیعت شیخ طریقت، تو خلاصہ یہ نکلا کہ تقلید مجتہدین و بیعت صادقین واجب ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں صیغے کو لیا وابتغوا امر کے ہیں جو کہ اکثر وجوب کیلئے آیا کرتے ہیں اور جب معیت صادقین کی لازم ہوئی تو تمام صدیقیوں کے سردار امام الصادقین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوئے جن کی ذات اقدس خیر البشر بعد الانبیاء کے لقب سے ملقب ہے اور جو کہ مقتدا و مبداء و امام اول ہیں طریقہ ہیچہ نقشبندیہ کے رضی اللہ عنہم و عن جمیع المسلمین۔ اور ایسا ہی احتیاط و تقویٰ کی بار بار تاکید ہے اور مذہب حنفی میں زیادہ تر احتیاط و تقویٰ ہے۔ مثلاً پانی کے متعلق عند الاختلاف جو پانی امام صاحب کے نزدیک پاک ہے وہ سب کے نزدیک پاک ہے اور جو پانی اوروں کے نزدیک پاک ہے وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاک نہیں۔ یا مثلاً سر کا کسی کے نزدیک آدھ سر کسی کے نزدیک ربع سر کسی کے نزدیک اور بھی کم مگر ہمارے امام کے نزدیک سارے سر کا مسح ہے تاکہ شکوک سے نکل جائے یا مثلاً کسی عورت کا خاوند آجائے تو کسی امام کے نزدیک

ساڑھے چار برس کسی کے نزدیک کم و زیادہ مگر ہمارے امام کے نزدیک ۹۰ برس۔ اس میں کوئی قباحت نہیں بخلاف دوسری صورتوں کے ان میں کئی قباحتیں نکلتی ہیں۔ عدالتوں میں سینکڑوں مقدمات ایسے آئے جن میں وہابیوں نے چار برس کے بعد عورت کو اجازت دے دی کہ تیرا خاوند مفقود الخیر ہے نکاح کر لے۔ جب وہ حاملہ ہوئی یا دو تین بچے جنے تو پہلا خاوند آگیا۔ اب بولو وہ بچے زنا کے ہوئے یا ولد الحلال ہوئے۔ اب اس عورت کو دو ٹکڑے کریں گے یا پہلے کو یا پچھلے کو ملے گی۔ بہر حال پہلے کی ہے اسی کو ملی مگر جس قدر زنا ہوتا رہا اس کا وبال وہابیوں کی روحوں کو ملے گا۔ اسی طرح سب سے زیادہ تقویٰ و احتیاط طریقہ صدیقیہ نقشبندیہ میں ہے۔ چنانچہ حقہ وغیرہ تک بھی منع کرتے ہیں عبادات میں ذکر حنفی کو (جو ادنیٰ و احسن ہے) کرتے ہیں اگرچہ جہر بھی مشروع ہے اور اتباع سنت کو (جو باعث ترقی ایمان و مدارج عالیہ کا ہے) اقدم و اسبق و احسن سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

پس جبکہ ثابت ہوا آیات مبارکہ سے کہ مذہب حنفی اور طریقہ نقشبندی میں سب سے زیادہ تقویٰ و احتیاط ہے تو غیر مقلدین کو خدا کی ماریوں ہے کہ ان دونوں سے ان کو زیادہ نفرت و عداوت اور بغض و حسد ہے۔ معاذ اللہ۔

اللهم ثبتنا علی مذہب ابی حنیفہ

واحشر ناصع الصادقین و الصالحین . آمین

## خاتمة بالخیر

اس خاتمہ میں دو امر کا فیصلہ ہے۔ ایک تو اماموں کے فرمان کی توجیہ و توضیح دوسرا غیر مقلدوں کے سوالات۔

سوال: امامان دین نے بالفاظ مختلفہ فرمایا ہے۔ اتر کو اقوالی بنخبر الرسول۔ اذا صح الحديث فهو مذهبی۔ لا تقلدوننی ولا مالکا۔ تو ان اقوال سے تقلید بالکل اڑ گئی۔

الجواب: اس میں ایک تو خبر رسول وارد ہے پھر ساتھ ہی اذا صح شرط اعظم ہے۔ اب یہ بات قابل غور ہے کہ خبر پیغمبر کے واسطے صحیح و تحقیق و تصدیق کی از حد ضرورت ہے اور یہ کام بڑے محدث و مجتہد کا ہے۔ پھر بعد از صحت کے اس کو مادہ ترجیح و تطبیق اور توجیہ و توفیق کا ہونا لازمی ہے تاکہ حدیثوں میں محاکمہ و موازنہ کر کے ایک جانب کو مرجع اور دوسری کو غیر مرجع ثابت کرے۔ اب ایمان سے کہو کہ یہ کس کا کام ہے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ امام صاحب کی صحت پر کسی محدث کی تصحیح و تضعیف غالب نہیں کیونکہ آپ کے وقت میں یا آپ سے پہلے کوئی محدث آپ کے ہمسرنہ تھا نہ اب تک کوئی ہوا۔ اور یہ بھی غیر ممکن ہے کہ جس حدیث کی صحت امام صاحب کے نزدیک ثابت ہے اس کو کوئی محدث ضعیف کرے اور جس حدیث کو امام صاحب نے صحیح ثابت کیا وہ محدثین کے قاعدہ سے ضعیف نہیں ہو سکتی کیونکہ امام صاحب اور صحابہ کرام کے درمیان بالکل کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ امام علی الاصح تابعی ہیں اور تابعی و صحابہ میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ البتہ جس محدث کا سلسلہ دور دراز ہو اور اس محدث سے لے کر صحابہ کرام تک کئی اسناد اور واسطے ہوں تو بے شک راویوں پر جرح و سقم چسپاں ہوگا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ کے راویوں



پر جو یکڑوں تک ہیں ضعف و کذب و بدعت و بد عقیدہ ہونے کا الزام ثابت ہے۔ دیکھو شرح سفر السعادت وغیرہ۔ کیونکہ بخاری سے صحابہ تک کئی اسناد ہیں اور علاوہ ان میں امام صاحب کے نزدیک صحت حدیث کا معیار نہایت ہی عمدہ اور مضبوط تھا۔ (دیکھو تاریخ ابن خلدون) اس واسطے امام صاحب کے نزدیک بہت کم حدیثیں صحت کو پہنچی ہیں اور باقی احادیث کو آپ بتر کا ساتھ رکھتے تھے ورنہ اصول حدیث امام صاحب کا ایسا بہتر و معتبر تھا کہ سب محدث سرنگوں ہیں اور یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کثرت حدیث کا روایت کرنا کچھ فضیلت کا موجب نہیں ہے۔ دیکھو بخاری وغیرہ کتب صحاح ستہ یا سوائے ان کے جس قدر کتب حدیث ہیں ان میں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بالکل ہی کم روایات ہیں اور علی ہذا حضرات عثمان و علی و فاطمہ و حسین رضی اللہ عنہم سے بہت ہی کم حدیثیں مروی ہیں۔ بخلاف ان کے حضرت عائشہ و ابو ہریرہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بے شمار کثرت سے حدیثیں مروی ہیں تو پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خلفائے اربعہ کا علم حدیث میں کم پایہ ہے اور محاذ اللہ یا وہ افضل نہیں ہیں یا کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے افضل و اعلم ہیں۔ پس جس طرح حضرت ابو ہریرہ، حضرت صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے افضل نہیں ہو سکتے اسی طرح دیگر محدثین بھی حضرت امام صاحب سے اعلم و افضل نہیں ہو سکتے۔ باقی رہا غیر مقلدین، حاسدین یا دشمن دین کا یہ قول کہ حضرت امام العالم کو صرف ۱۷۱ حدیثیں یاد تھیں۔ سو اس کا جواب بالفضل اتنا ہی کافی ہے کہ امام صاحب کے

۱۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الضور للامام فی اعیان القرن الثامن میں ابن خلدون کی نسبت یوں لکھتے ہیں ولم یکن مابہر العلوم الشرعیۃ یعنی ابن خلدون علوم شرعیہ کا ماہر نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مورخ تھا۔ علاوہ ان میں ابن خلدون نے لفظ یقال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون خود قائل نہیں بلکہ کسی مجہول روایت کا نقل ہے۔

وقت میں آپ کے مخالفین میں سے ۱۸ حدیثیں کسی کو یاد نہیں تھیں۔ خیال کرو کہ جس وقت منصور بادشاہ نے آپ کو بلا کر فرمایا کہ تو میری سلطنت کا قاضی بن جا۔ جس پر امام صاحب نے انکار کیا۔ کیا بادشاہ منصور ایسا دیوانہ تھا کہ تمام سلطنت کے قاضیوں عالموں کو چھوڑ کر ایسے شخص کو قاضی سلطنت بناتا ہے کہ جس کو صرف ۱۷۱ حدیثیں یاد تھیں۔ انفس جالوں کے حسد پر۔ بلکہ ثابت ہوا کہ منصور کے اس قدر وسیع ملک میں اگرچہ ہزار باعلماء و فضلاء و محدث و مفسر ہوں گے مگر امام صاحب کے علمی پایہ کا شخص کوئی نہ تھا۔ اس واسطے تمام بادشاہت میں سے صرف ایک ہی امام صاحب کو منتخب کیا۔ پس اگر ۱۷۱ حدیثوں والا ہی قاضی بنانا منظور تھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت ۱۸ حدیثیں کسی کو یاد نہ تھیں۔ (باقی دیکھو تاریخ ابن خلیب اور خیرات الحسان وغیرہ) پھر آج کل کے اجد خواں جن کی تحصیل کا انتہا تقویۃ الایمان و تفسیر محمدی ہے۔ اگر کوئی مشکوٰۃ یا بلوغ المرام پڑھ گیا تو بس موٹا تازہ ڈبل مجتہد بن گیا۔ منکر تقلید امام ہو تو کیا ڈر ہے۔ نعوذ باللہ من الجالین۔ آمین۔

تیسرا یہ کہ یہ بات بھی نہایت ہی غور طلب ہے کہ ایک شخص تابعین یا تبع تابعین سے ہو اور علم ظاہر و باطن میں یکتا اور علم و عقل میں بے نظیر اور درج و تقویٰ، صلاحیت و شرافت میں بے مثل اور اجتہاد و ورائے میں سب پر غالب اور مقتدا و ہادی بھی ایسا کہ کل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی غلام پھر ایسا شخص اگر تو انصاف و انکسار سے کہہ دے کہ جس وقت میرا تحقیق کردہ مسئلہ آیہ یا حدیث کے خلاف ہو تو قبل از فوراً میرے قول کو توڑ کر اور اپنی ٹوٹی پھوٹی ناقص عقل پر عمل کر لو۔ تو بولو اس قول کا مخاطب بھی کیا وہ اردو خوان ہوگا۔ جس نے تفسیر ثنائی کا پاس کیا ہو۔ یا زیادہ سے زیادہ نجات المومنین و پکی روٹی پڑی ہو۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے مخاطب صرف وہی ہیں جو آپ کے معصرواہل عقل و فہم صاحب تقویٰ و احسان ہیں۔ سو اس کے مصداق سوائے آپ کے

سہ آئمہ کی تحقیق واحد ہے۔ شاگردوں نے کچھ بھی امام صاحب کے خلاف نہیں کیا۔ پس جبکہ آپ کے شاگردان رشید جو مجتہد فی المذہب تھے۔ آپ کے قدم بقدم چلے تو اور کون شخص ایسا ہے جو آپ کے شاگردوں سے بڑھ جائے۔ امام بخاری خود تو شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابل میں بخاری وغیرہ تو کچھ بھی نہیں۔ البتہ یوں کہنا بجا ہے کہ جو مسئلہ یا تحقیقات امام بخاری علیہ الرحمۃ کے موافق ہے۔ حضرت امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وہ زیادہ تر معتبر وقابل قبولیت ہے اور جو مجتہد یگانہ امام زمانہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ وہ غیر معتبر۔ پس معلوم ہوا کہ قول اتو کو اقولی کے مصداق آپ کے شاگرد یا مجتہد میں نہ کہ بخاری یا مسلم وغیرہ کیونکہ یہ حضرات مقلد اور صرف محدث تھے۔

پانچواں یہ کہ ہر اک مجتہد کا سلسلہ علم حق کسی نہ کسی صحابی یا جماعت صحابہ تک پہنچتا ہے اور اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ درحقیقت علوم الہی اور غزائن خفی و جلی کے وارث اول و مستحق اعلیٰ تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور بعد ازاں حضرات مجتہدین و مشائخین جہا و ظلا (چنانچہ غیر مقلدوں کے امام مولوی اسماعیل مصنف تقویۃ الایمان اپنے رسالہ منصب امامت صفحہ ۳۱ مطبوعہ فاروقی) میں لکھتے ہیں۔

پھر جو شخص زیادہ تر قریب الاقرب ہے (جیسا کہ مجتہدین بالخصوص امام ابوحنیفہ) وہ زیادہ تر حق دار وارث ہے اور جس طرح نبی معصوم ہے۔ ابلاغ میں ویسا ہی مجتہد فی نفس الامر محفوظ ہے۔ خطا سے اور اس کا اجتہاد بھی قائم مقام نص شارع کے ہوتا ہے کیونکہ مجتہد لوگ بذریعہ کشف بھی اپنی خطا معاف کرا لیتے ہیں۔ اسی واسطے حضرات مجتہدین قیامت کے روز انبیاء کرام علیہم السلام کی صفوں میں کھڑے ہو گئے نہ کہ امتوں کی صفوں میں۔ جیسا کہ امام شعرانی مالکی اپنی میزان کبرے کے صفحہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ میں

تلاذہ اور شاگردوں کے اور کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حاضرین ہی کو خطاب ہے۔ ورنہ یوں عبارت چاہئے تھی کمل من سمع قولی فلیترک بنخیر الرسول۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یوں ہے۔ اتو کو اقولی۔

لطیفہ: حاسدین مخالفین اگرچہ آپ کے نام پاک پر جل کر راکھ ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی شکر بجالائیں کہ حضرت امام العالم کو صرف ۷۱ حدیثیں یاد تھیں۔ زیادہ نہ تھیں کیونکہ ۷۱ احادیث کے حافظ کا یہ مرتبہ یہ عزت یہ قبولیت و درجہ ہے کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کل امت کے اولیاء علماء صلحاء امرا و سلاطین خاص و عام اہل اسلام غلام ہو گئے۔ اگر کہیں چہل حدیث یاد ہوتی تو وہابی رافضی تو درکنار شاید کفار کا جو بھی نظر نہ آتا۔ ذالک فضل اللہ

چوتھا: یہ کہ مذہب حنفی عبارت ہے، اقوال و ارشادات آئمہ ثلاثہ سے یعنی امام اعظم و صاحبین رضی اللہ عنہم سے کیونکہ جس طرح افعال نبویہ و افعال خلفاء اربعہ پر لفظ سنت وارد ہے اسی طرح امام صاحب و صاحبین کے اقوال پر مذہب حنفی بولا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ جس طرح خلفاء اربعہ نے خلاف فعل نبوی کوئی فعل نہیں کیا تو خلفاء کے افعال بھی شامل لفظ سنت ہو گئے۔ اسی طرح امام صاحب کے شاگردوں نے بھی انہی اصول پر بنیاد رکھی جو اصول امام صاحب کے بنا کر وہ تھے۔ اس واسطے امام و صاحبین کی تصدیق و تحقیق ایک ہی سمجھی گئی۔ چنانچہ شانہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں:

انما عد مذہب ابی حنیفہ مع صاحبیہ مذہباً واحداً لہدم تجاوزہما الخ۔

یعنی امام صاحب و صاحبین کا مذہب ایک ہی مذہب سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک چونکہ افراد کمل خلفاء اربعہ ہیں۔ اس لئے بالخصوص ان کا ذکر کیا گیا۔ ورنہ کل صحابہ کے افعال اقوال پر لفظ سنت آتا ہے اور کل صحابہ کے افعال ماتحت تھے خلفاء کے اس لئے کل ذکر ضروری نہیں۔

وغیرہ میں مفصل تحریر فرماتے ہیں اور اس مضمون بالا کی کسی قدر یہ حدیث بھی مؤید ہے۔

عن الحسن البصری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
قال الله تعالى اذا كان الغالب على عبيد الاشغال بي جعلت نعمه  
ولذته في ذكرى فعشقتني وعشقته فرفعت الحجاب فيما بيني وبينه و  
صيرت بين عيني مغالما لا يسهوا اذا سهى الناس و اولئك كلامهم  
كلام الانبياء و اولئك الابدال حقا۔ (الحديث، رواه ابويعيم في الحلية)

یعنی خدا فرماتا ہے کہ جس وقت میرے بندہ پر میرا ذکر غالب ہو جاتا ہے میں  
اپنی نعمت و لذت اپنے ذکر میں رکھ دیتا ہوں۔ پس وہ میرا عاشق ہوتا ہے میں اس کا  
عاشق ہوتا ہوں پس میرے اور اس کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے اٹھا دیتا ہوں اور اس کی  
آنکھوں میں اسے معلومات رکھتا ہوں کہ جس وقت عام لوگ غلطی کھاتے ہیں وہ غلطی  
نہیں کھاتا، یہی لوگ تو وہ ہیں جن کی کلام کلام نبیوں کی ہے۔ انہی کو ابدال کہا جاتا ہے۔

پس ایسے ایسے بزرگوں، اناموں کے قول کو غلط کہنا اور معمولی لوگوں کو پیرو ہو  
جانا صریح ضلالت و بلاہت ہے اور امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں:

قال الامام شيخ الاسلام زكريا الانصاري و اياكم ان تبادروا  
الى الانكار على قول مجتهد او بتخطية الخ۔ یعنی خبردار کسی مجتہد کے قول پر  
انکار نہ کرنا یا نسبت خطائہ کرنا۔

رد المحتار میں ہے:

ولا يخفى ان ذلك لمن كان اهلا للنظر في النصوص و  
معرفة من حکما من منسوخها الخ۔ یعنی اگر کوئی اُس شخص کے حق میں ہے  
جس کو علوم قرآنی پر نظر و سیر ہو۔

پنجم: امام شعرانی فرماتے ہیں میزان میں:

فاننى بحمد الله تتبع مذهب فوجدته فى غاية الاحتياط  
والورع لان الكلام صفة المتكلم وقد اجمع السلف والخلف على  
كثرة ورع الامام و كثرة احتياطاته فى الدين وخوفه من الله تعالى الخ  
وقال لما ألقت كتاب ادلى اذله المذاهب فلم اجد قولا من اقواله و  
اقوال اتباعه الا وهو مستند الى آية او حديث او اثر او الى مفهوم  
ذالك او حديث ضعيف كثرت طرقه الخ

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب اور ان کے شاگردوں کے  
اقوال کی نسبت میں نے بہت ہی جستجو کی تو پایا میں نے امام صاحب کے مذہب کو نہایت  
ہی احتیاط و پرہیزگاری میں خوب عمدہ اور اجماع کیا ہے تمام سلف و خلف نے امام صاحب  
کے کثرت احتیاط اور تقویٰ پر دین میں اور ان کے اقوال کو میں نے نہیں پایا مگر یا وہ مستند  
ہے ساتھ آیت کے یا حدیث کے یا اثر صحابی کے یا کسی ایسی حدیث ضعیف کے جو کثرت  
طرق سے مروی ہے۔ ہواور جس وقت خلیفہ ابو جعفر منصور نے امام صاحب کی طرف لکھا کہ  
مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم حدیث پر قیاس کو غالب رکھتے ہو آپ نے جواب میں لکھا۔

ليس الامر كما بلغك يا امير المؤمنين انما اعمل اولا بكتاب  
الله بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم اقضيه بابي بكر وعمر و  
عثمان و على ثم اقضيه بقية الصحابة رضى الله عنهم ثم اقيس بعد  
ذالك اذا اختلفوا۔

یعنی ایسا نہیں بلکہ میں پہلے قرآن سے پھر حدیث سے پھر خلفاء اربعہ کے

ان انه كان يقول ضعيف الحديث احب الى من آراء الرجال (جواہر منیہ)



اقوال سے پھر دیگر صحابہ کرام کے اقوال سے فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر ان سب میں سے نہ ملے تو قیاس کرتا ہوں۔ کافی الخیر ان وغیرہ۔ اب ایسا شخص جب بادشاہ کو اس قسم کا جواب صاف لکھے تو پھر بادشاہ نے یہ نہ کہا کہ فلاں فلاں مسئلہ تمہارا فلاں فلاں حدیث کے خلاف ہے یا اس سلطنت کے علماء نے بادشاہ کو یہ نہ کہا کہ اس امام سے پوچھو کہ فلاں مسئلہ جو مخالف حدیث ہے اس کا ثبوت کہاں اور کس حدیث میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ آپ کا خلاف حدیث و قرآن ہوتا تو ضرور بادشاہ وقت یا علماء وقت آپ کو فوراً گرفت کرتے خصوصاً جبکہ بادشاہ آپ کا دشمن بھی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا کوئی مسئلہ قرآن و حدیث کے خلاف نہیں۔ پس جبکہ آپ کا کوئی مسئلہ بھی آپ کے وقت میں غلط و خلاف ثابت نہ ہو تو اس وقت کون احق اُن کی غلطیاں نکال سکتا ہے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ اترو کو قولی محض تو نصاً فرمادیا ہے جیسا کہ بزرگوں کا دستور ہے۔

ششم: یہ کہ جن کو اس قول پر عمل درآمد کرنے کی لیاقت و طاقت تھی اور جن کو اجتہاد کا ملکہ و تفقہ کا مادہ خدا نے عنایت فرمایا تھا۔ انہوں نے بھی مطلقاً مخالفت نہ کی۔ چنانچہ حضرت امام وقت قاضی القضاۃ ابو یوسف فرماتے ہیں:

ان بلکہ امام شعرانی یہ ایک عجیب واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔ جہاں سفیان الثوری و مقلد و ابن حبان و حماد ابن سلمہ و جعفر بن الصادق و غیر ہم من الفقہاء الی ابی حنیفہ فقالوا انت سید العلماء فاعف عنا عن و قیعتنا فیک من غیر علم فقال غفر اللہ لنا و لکم اجمعین (میران) یعنی ایک روز حضرت سفیان و مقاتل و حماد و جعفر رضی اللہ عنہم امام صاحب کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے شخص تو تمام علمائے وقت کا سردار ہے جو کہ آپ کی نسبت ہم سے کوئی لغزش واقع ہوئی ہے آپ ہم کو معاف کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ خدا ہم کو اور تم کو بخش دے۔ اب خیال فرمائیں کہ کیا یہ اس شخص کا مرتبہ ہے جس کو اہل حدیث میں یا حدیثیں۔ حاشا دکلا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ اپنے وقت میں سردار تھے تو بعد ازاں کون شخص ان سے اعلم و افضل ہوگا۔

ما خالفت فی شیء فقد برتہ الا رايت منہ الذی ذہب الیہ اتجی فی الاخرة و کنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح کما فی رد المحتار وغیرہ۔ وقال ابو یوسف ما رايت اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفہ و کان ابصر الحدیث کما فی خیرات الحسان

یعنی کبھی جب میں نے امام صاحب کے ساتھ کسی مسئلہ میں کچھ خلاف کیا تو فوراً غور و غوض کے بعد معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مذہب میں زیادہ وجہ نجات حاصل ہے اور میں نے کسی کو زیادہ عالم بالحدیث اور صاحب بصیرت فی الحدیث امام صاحب سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

امام شعرانی صفحہ ۱۵ میں لکھتے ہیں۔ ونقل عن اصحاب ابی حنیفہ کابی یوسف و محمد و زفر و الحسن انہم کانوا یقولون ما قلت قولا فی مسئلة الا وهو روايتنا عن ابی حنیفہ و اقساموا علی ذالک ایمانا مغلظة یعنی ہمارا (شاگردوں کا) کوئی قول کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو امام صاحب کے خلاف کہا ہو بلکہ وہ ہمارا قول بھی امام سے ہی مروی ہے۔ یہ بیان اصحاب ابو حنیفہ کے حلفاً کہتے تھے۔

کذا قال السید العلامة ابن عابد فی رد المحتار عن حاوی و قدوسی وغیرہما

ہفتم: یہ کہ بڑے بڑے آئمہ کرام و صلحائے عظام باوجود اہل کشف و ذی مراتب و ذی فہم ہونے کے بھی مقلد ہی رہے اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب پر جانا نہایت بُرا سمجھتے رہے جیسا کہ حضرت امام ربانی غوث صمدانی محی السنہ قاصع البدعہ جناب شیخ احمد صاحب فاروقی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جن کے مکتوب شریف پر مخالفین کا ایمان بھی



ہے۔ اپنے مکتوب نمبر ۳۱۲ جلد اول میں لکھتے ہیں:

”ما مقلدان را نمیرسد کہ بمقتضائے حدیث عمل نموده جرأت در اشارہ نمایند اگر کسی گوید کہ ما علم بخلاف دلیل آں داریم۔ گوئیم کہ علم مقلد در اثبات حل و حرمت معتبر نیست دریں باب ظن مجتہد معتبر است۔ احادیث را ایں اکابر بواسطہ قرب و وفور علم و حصول ورع و تقویٰ از ما دور افتادگان بہتر میدانستند و صحت و سقم و درجہ و عدم نسخ آنہا را بیشتر از ما میشناختند آنچہ از امام اعظم رضی اللہ عنہ مروی است کہ اگر حدیث مخالف قول من بیا بید بر حدیث عمل نمایند مراد از اں حدیث است کہ حضرت امام نہ رسیدہ باشند و بنا بر عدم علم ایں حدیث بخلاف آں فرمودہ است و احادیث اشارہ سبابہ ازیں قبیل نیست۔

یعنی تشہد میں انگلی اٹھانا اگر کسی حدیث سے ثابت بھی ہو تو پھر بھی ہم مقلدوں کو یہ طاقت و جرأت نہیں کہ تقلید کو ترک کر کے حدیث پر عمل کریں۔ یعنی تشہد میں انگلی اٹھانا جائز نہیں۔ افسوس ہے غیر مقلدوں پر جو کہ آپ کے مکتوب شریف کو پیش کو کے کہتے ہیں کہ آپ نے مولود شریف سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ آپ نے ہرگز منع نہیں فرمایا! اور اس مکتوب میں صاف دفع سبابہ سے منع فرمایا ہے تو اس پر کوئی غیر مقلد عمل نہیں کرتا۔

یہی حضرات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوئی است کہ بمرکت ورع و تقویٰ و دولت متابعت سنت و رجہ علیا در اجتہاد یافتہ است کہ دیگر اں در فہم ادعا جزا اند و ارا صاحب الراۃ پندارند کل ذالک لعدم الوصول الی حقیقۃ علمہ و درایتہ و عدم الاطلاع علی فہمہ و فراستہ بے شائبہ گفتہ شود کہ نورانیت مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم میناید و سائر مذاہب حیاض و جدول نظر سے آید۔ ناقصان چند احادیث

رایا و گرفتہ اند و احکام شرعیہ را در اں منحصر ساختہ ماورا معلوم خود را نفی مینمایند۔

چو اں کر میکہ در سنگے نہاں است..... زمین و آسمان وے ہماں است الخ  
غرض کہ امام ربانی صاحب کے نزدیک حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب اماموں اور محدثوں سے بڑھ کر ہے۔ پس ایسے شخص کا فرمانا کہ میرے قول کو بمقابلہ حدیث ترک کرو۔ کیا اس کا مخالف وہ شخص ہے جو جامع علوم ظاہری و باطنی ہو یا کہ ذیہاتی ترجمہ خوان یا زینت الاسلام کا عالم یا کوئی محدث جدید بلوغ المرام کا حافظ۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ہشتم: اگر کوئی مجتہد فی الہدۃ بوقت ضرورت بقوائے الضرورہ تسبیح المحظورات کسی مسئلہ میں خلاف امام کا کرے تو وہاں پر یہ ضرور نہیں کہ حق پر وہی شخص ہے جو خلاف کرے بلکہ یہ زیادہ احتمال ہے کہ امام حق پر ہو اور یہ شخص خلاف حق پر ہو۔ پھر بالفرض اگر ہو بھی تو ایک آدمہ شخص کا ایک دو مسئلہ میں خلاف کرنا وجوب تقلید کو منافی نہیں۔ نہ ایسا شخص اپنے آپ کو غیر مقلد کہلائے گا بلکہ مقلد ہی کہلائے گا اور ایک دو مسئلہ میں خطا مجتہد سے ممکن الوقوع ہے مگر یہ پھر بھی نہ ہوگا کہ آج کل کے محدث مشکوٰتی (بے علم) اٹھ کر ہر اک امام کو خامی و ناسی بیان کریں اور اپنی تقلید میں لوگوں کو بے دین بنادیں۔ چنانچہ محی الدین نو مسلم لاہوری اور دیگر اُن کے ہم مشرب نے بڑی جدوجہد سے تمام لوگوں کے کان میں یہ ٹکا دیا کہ اگر تمام دنیا میں کوئی مذہب سراسر غلط و بے ثبوت ہے تو وہ مذہب حنفی ہے۔ اگر کوئی شخص اُن جان ہے تو ابو حنیفہ ہے۔ (نحوذ باللہ منہم) اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے دشمن تو آپ کے وقت میں بھی بہت دہریہ خارجی وغیرہ تھے۔ اب بھی ہوں تو تعجب نہیں کیونکہ سلطنت انگلیشیہ میں تو گمراہ و مہذب و متذوق و مرتد لوگ زیادہ خوش ہیں نہ نسبت مسلمانوں کے۔ غرض کہ اگر کسی مسئلہ میں کسی مجتہد فی الہدۃ نے تقلید

کو علیحدہ کر لیا تو یہ بوجہ ضرورت جائز ہے اور اس کی اجازت قرآن مجید میں بھی ہے۔  
 فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۷۳) مگر  
 اس ضرورت کو وہ شخص محسوس کر سکتا ہے۔ جو اجتہاد کے درجہ پر جائز ہونہ بخاری و مسلم جیسے  
 اور لطف یہ کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ ہاں  
 شاید کسی حاسد و متعصب نے کہا ہو تو تعجب نہیں ہے۔

نہم مولوی رشید احمد گنگوہی جو کہ غیر مقلدوں اور مقلدوں میں مشترک الخیال ہیں خصوصاً غیر  
 مقلدین اُن کے قول کو نہایت ہی قوی و معتبر جانتے ہیں۔ اس لئے صرف اُن کو قولی کے متعلق  
 جو اُن کا قول ہے وہ عرض کرتا ہوں تاکہ غیر مقلدین اگر ہمارے قول کو حسد او عناد انہیں  
 مانتے تو اُن کے قول کو ضروری تسلیم کریں گے۔ وہ یہ ہے۔ (رسالہ سبیل الرشاد صفحہ ۲)

ہمارے قول کو بوجہ مخالفت حدیث کے ترک کرو اور اس قول سے غیر مقلدین  
 رد تہلیل پر دلیل پکڑتے ہیں۔ تو واضح ہو کہ یہ نہایت ہی کم فہمی ہے اُن لوگوں کی کیونکہ اول  
 بندہ لکھ چکا ہے کہ جو قیاس مخالف جملہ نصوص ہو وہ بالاتفاق فاسد ہے تمام علماء کے  
 نزدیک۔ پس آئمہ علیہم الرحمۃ نے اپنے اپنے علائکہ (شاگردوں) کو جو بڑے بڑے  
 عالم تبحر و محدث کامل تھے۔ فرمایا تھا کہ اگر تم کو ہمارے قیاس کا فساد نصوص سے معلوم ہو  
 جائے تو اُس کو رد کرو دینا ہمارا ادب و خیال کچھ نہ رکھنا تو یہ وجہ ہے کہ مجتہد سے خطا بھی ہو  
 جاتی ہے۔ اگر بعد سعی و جدوجہد کے خطا بھی ہو گئی ہو تو پھر بھی اُس کو ایک اجر ملتا ہے۔

چنانچہ حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے اور مجتہد سے خطا بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ ورنہ  
 اب اگر کسی حرام چیز کو اس آیت کے مطابق ایک وقت میں جائز کیا تو کیا پہلی آیات جو حرمت اشیاء  
 پر وال ہیں وہ ٹوٹ گئے ہیں یا بیکار ہو گئی ہیں۔ یاد حکم غلط ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح ایک وقت  
 میں اگر کسی مجتہد فی المذہب نے امام کے خلاف عمل کیا تو کیا وجہ تہلیل کو مانع و منافی ہے ہرگز نہیں۔

معاذ اللہ جان کر کون مقدسین خلاف کہتا ہے۔ پس اگر خطا تحقیق سے معلوم ہو جائے تو  
 اُس کو رد کرنا ضروری ہے۔ پس اُن کے اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ جس قول میں  
 ہماری خطا معلوم ہو جائے تو اس کی تقلید مت کرو اور جس میں خطا ثابت نہ ہو اُس کی  
 تقلید ضروری ہے کیونکہ وہ عین حکم الہی ہے۔ عند المجتہد اور عند المقلد۔ مگر یہ تو نہیں فرمایا  
 کہ کسی ایک عالم نے بھی اگرچہ ہمارا قول ایک دو حدیث کے موافق ہو اور ایک حدیث  
 کے مخالف ہو جب بھی ترک کر دینا۔ کیونکہ یہ تو ہرگز حلال نہیں۔ اس واسطے کہ مجتہد وقت  
 اختلاف کی کسی وجہ ترجیح سے ایک جانب کو مرجح کر کے حکم دیتا ہے۔ پس اس وقت ایک  
 حدیث کو کسی وجہ سے مرجح کر کے اس کے موافق فرمایا تو اُس کا رد کرنا عین حدیث کا رد  
 کرنا ہے اور یہ کسی متدین کے نزدیک حلال نہیں پس ان لوگوں کا اس قول سے کیا  
 مطلب حاصل ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اقوال مفتی بہا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مثلاً یا  
 دیگر آئمہ علیہم الرحمۃ کے سب اقوال ایسے ہی ہیں کہ اگر ایک حدیث کے مخالف بظاہر ہیں  
 تو دوسری نص کے مطابق ہیں۔ تو کسی کو کب گنجائش ہے کہ اُس کا رد کرے کیونکہ اُس کا رد  
 کرنا تو عین قولی اللہ یا قول رسول اللہ ﷺ کا رد کرنا ہے۔ لہذا یہ لوگ (غیر مقلد) محض کم  
 فہمی کی بات کرتے ہیں۔ نہ ان کو سلیقہ ترجیح کا نہ ان کو نظر جملہ نصوص پر محض سنی سنائی  
 احادیث یا ترجمہ مشکوٰۃ کو دیکھ کر عامل بالحدیث ہو گئے تو ایسے جہال کو تو اپنے اقوال رد  
 کرنے کی اجازت انہوں نے نہیں دی تھی کہ:

(۱) نہ تمیز ناخ و منسوخ کی رکھتے ہیں۔

(۲) نہ صحیح و سقیم کی۔

(۳) نہ وجہ مخالفت کی خبر۔

(۴) نہ وجہ ترجیحات سے مطلع۔

(۵) نہ وجہ دلالت سے واقف

(۶) نہ علل نص سے آشنا

(۷) نہ محاورات کلام عرب کے فہم کا حوصلہ

(۸) نہ جملہ روایات کا احاطہ

(۹) نہ فہم کتاب و حدیث کا سلیقہ جو عمل بالحدیث کے واسطے ضروری ہے کہ بدوں

اُس کے تقلید واجب ہے کسی عالم کی۔

پس قیامت ہے کہ ایسے نااہل آئمہ کے قول کو اپنے فہم سے ترک کر کے عامل بالحدیث ہوں۔ ایسی حالت میں تو خود قرآن و حدیث کے ہی وہ راہ و مکتب ہیں (یعنی غیر مقلد) اور عناد آئمہ اور اپنے اجتہاد ناصواب کے زعم میں اپنے ایمان ہی کو (غیر مقلدین) سلام کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب کے کلام سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ الحاصل یہ فرمانا آئمہ کا اپنے وقت کے علماء بتحرین حاضرین کو تھا یا بعد کے بھی علماء کو مگر انہی کو جو احاطہ اخبار اور درجہ اجتہاد و ترجیح رکھتے ہیں نہ جہلاء کو کہ علم و فہم سے عاری ہوں۔ سو اس قول (اثر کو قوی) کو عدم تقلید پر حجت لانا کمال سفاہت ہے بلکہ یہ تو حکم تقلید کا ہی فرمایا تھا کہ ہمارے اقوال کی ہی تقلید کرنا کیونکہ ہم نے صین نصوص کا ہی مطلب ظاہر کیا ہے مگر اہل اجتہاد عالم کو اگر خطا ہماری معلوم ہو جائے تو اُس کی تقلید نہ کرنا نہ یہ کہ جہلاء بھی اپنے فہم ناصواب سے زبان دراز کریں۔ پھر وہ کون سا مسئلہ ہے کہ اُس پر نص سے کوئی صراحت دلالت اشارت نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بلکہ سب مسائل پر علماء مقلدین نے بحث و کلام کر کے محقق فرمایا ہے۔ اگرچہ جہلاء کو خبر نہیں۔ بہر حال اس قول (اثر کو قوی) سے تقلید رد نہیں ہوتی۔ بلکہ اثبات ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے کم فہموں کو ہدایت فرمائے۔ الحاصل تقلید مطلق جو شخصی و غیر شخصی دونوں کو شامل ہے کتب و سنت سے

ثابت ہوئی اور ہمیں کتاب و سنت میں حکم نہیں فرمایا کہ عالم سے سوال کا جواب بلا دلیل قبول و معمول نہ کرے اور اس پر صحابہ علیہم الرضوان کے عہد میں عملدرآمد رہا کہ سائل نے سوال کیا اور اُس کا جواب حسب حال سائل کے یا دلیل یا بلا دلیل دیا گیا اور سائل نے اس پر عمل کیا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ الشیوخ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وکان ابن عباس بعد عصر الاولین فنا قفہم فی کثیر من الاحکام وابتعہ فی ذالک اصحابہ من اهل المکة ولم یأخذ بما تفرد جمہور اهل الاسلام۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب مکہ معظمہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں دیگر بعض صحابہ سے خلاف فرمایا اور ان کے فتاویٰ کو اہل مکہ نے قبول کر کے عمل کیا تو محل خلاف صحابہ میں ایک ابن عباس کے قول پر عمل کرنا نہ دیگر اقوال پر۔ یہی تقلید شخصی ہے کہ محل اختلاف میں فقط ابن عباس کے قول کو معمول بہ رکھا اور یہی شاہ صاحب مذکور فرماتے ہیں:

ثم انهم تفرقوا فی البلاد و صار کل واحد مقتدی ناحیۃ من النواحی و کثرت الوقائع و دارت المسائل فاستفتوا فیہا فاجاب کل واحد حسب ما حفظہ او استنبطہ وان لم یجد فیما حفظہ او استنبطہ ما یصلح للجواب اجتہد برایہ۔ الخ۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ صحابہ نے جس موضوع میں اقامت فرمائی اور کثرت وقائع میں سوال اُن سے کیا گیا تو محفوظ یا مستنبط سے جواب دیا گیا۔ ورنہ اپنے اجتہاد سے حکم دیا گیا تو جوابات اجتہادیہ و مستنبطہ کا فرمانا اور سائل کا قبول کرنا تقلید ہے



اور اسی صحابی مقیم بلد سے سب اپنے وقائع کا پوچھا اور قانع ہونا تقلید شخصی ہے۔  
اور فرماتے ہیں:

وكان ابراهيم واصحابه يرون ان ابن مسعود واصحابه اثبت  
الناس في الفقه كما قال علقمة لمسروق هل احد منهم اثبت من عبدا لله  
اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ابراہیم واصحاب ان کے عبد اللہ بن مسعود اور ان  
کے اصحاب کو مثل اختلاف میں مرجع رکھتے تھے اور ان کی فقہ کے مقابل دوسرے کو نہ  
مانتے تھے۔ یہ تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے کہ ایک عالم کو علم اور فقیہ جان کر اس کے مقابلہ میں  
دوسرے کے حکم کو معمول نہ کرے جیسا کہ حنفیہ کرام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اور شوافع حضرت  
شافعی علیہ الرحمۃ کو مثلاً جانتے ہیں اور یہ بھی کتب احادیث سے واضح ہے کہ صحابہ رضوان  
اللہ علیہم نقل حدیث سے بہت احتیاط و اجتناب کرتے تھے۔ مگر بحکم من مثل عن  
علمہ ثم بکنہ العجم يوم القيمة بلجام من النار (الحديث) جواب مسئلہ سے نہ  
انکار کرتے تھے تو بالضرور جواب ان کے محض جواب سوال ہوتے تھے بلا دلیل جس کو تقلید کہتے  
ہیں اور بیان یا حجت نہیں ہوتے تھے اکثر کیونکہ نقل حدیث سے وہ خود بھی ڈرتے تھے۔  
سنن ابن ماجہ میں منقول ہے:

عن عمرو ابن ميمون قال ما اخطأني ابن مسعود عشية  
خميس لا تية فيه قال فما سمعته يقول لشي قط قال رسول الله صلى  
الله عليه وسلم۔ (الحديث)  
اور زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ فرمایا:

كبرنا ونسبنا والحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم  
اور اسی طرح شدید اور شعی فرماتے ہیں:

جالست ابن عمر سنة فما سمعته يحدث عن رسول الله صلى  
الله عليه وسلم شيئا۔ (الحديث)

ان احادیث سے صحابہ کا فتویٰ دینا واقعات میں اور نہ نقل کرنا احادیث کی  
روایات کو ہر جواب میں جب معلوم ہو گیا تو اب تقلید صحابہ کی قول کی کرنا اور صحابہ کا اس  
کو جائز رکھنا اور ہر اک بلد کا اپنے اپنے صحابی مقیم بلد سے ہی پوچھ کر قناعت کرنا اگر تقلید  
شخصی نہیں تو کوئی عاقل کہے کہ کیا ہے؟ پھر تقلید شخصی خیر القرون میں ہونے کے نہ معلوم کہ  
جہاں زمانہ کے نزدیک کیا معنی ہو سکے۔ مگر ہاں اس وقت میں جیسی شخصی جاری تھی ویسے  
غیر شخصی بھی معمول تھی۔ اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ وہ زمانہ خیر و صلاح کا تھا اور ہوائے  
نفس سے وہ قرون خالی تھے۔ اس غیر شخصی سے کوئی فساد نہ تھا اور نہ اندیشہ فساد تھا اور یہ  
سبب ہر دو نوع تقلید کے مامور من اللہ ہونے کے ایک کو دوسرے سے جانا جاتا تھا۔ کسی کو  
کسی پر اعتراض نہ تھا پھر بعد اس کے طبقہ تابعین و تبع تابعین میں قیاس و اجتہاد کا زور تھا۔  
خود روز روشن کی طرح سب کو معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ  
تابعی ہیں علی التحقیق اور ان کی ولادت ۸۰ھ اور انتقال ایک سو پچاس میں ہوا۔ اس  
ثناء میں ان کے استنباط و طاعت اور ہزار ہا آدمی کا اقتداء ان کے مسائل کا معلوم ہر خاص و  
عام کو ہے اور امام مالک صاحب ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اس  
عرصہ میں ان کے اجتہاد کا چرچا رہا۔ ہزار ہا لوگوں نے ان کی تقلید کی اور امام شافعی علیہ  
الرحمۃ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اس عرصہ میں ان کی تقلید بھی  
ہزار ہا لوگوں نے کی اور امام احمد صاحب ۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں انتقال فرمایا  
ان کی تقلید بھی ہزار ہا آدمیوں نے کی اور سوائے اس کے امام سفیان ثوری و ابن ابی لیلیٰ  
اور دیگر تاریخ ابن خلکان اور تاریخ خطیب بغدادی اور تذکرۃ الموضوعات دار قطنی وغیرہم۔



داوراعی وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بھی مجتہد ہوئے اور ہزار ہا آدمی اُن کے مقلد ہو گئے مگر بالآخر سب مذاہب مندرس ہو کر یہ چار مذہب عالم میں شائع ہوئے اور آج تک جاری ہیں اور کروڑوں علماء و فقہاء و محدثین ان کی تقلید کرتے تھے۔ پس ہر کوئی بصیرت پر روشن ہو جاتا ہے کہ خیر و القرون میں تقلید شخص و غیر شخص دونوں بلا شک جاری رہیں اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے طبقات میں کسی نے شخص کو حرام و شرک یا مکروہ یا بدعت نہیں کہا اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس امر کو کتاب و سنت فرض واجب فرمائے اُس کو کوئی اہل حق رد کرے۔ یہ کام بدوین جاہل کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتعمين على التقليد الخاص المذاهب واحد بعينه الخ.

تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید بھی تھی اور ایک مذہب کی تقلید کو بھی جائز و معمول کرتے تھے۔ معہذا دوسرے مذہب والے سے بھی مسئلہ دریافت کر لیتے تھے کہ ہر دو قسم کے جائز و معمول رکھتے تھے۔ اس عبارت سے عدم جواز تقلید شخص کا ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا۔ معہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر غیر شخص کا عمل درآمد ہو بھی تو اُن کے نزدیک عدم جواز شخص کہاں سے ثابت ہو سکتا ہے۔ بہر حال چونکہ وہ زمانہ خیر کا تھا اور نفوس اُس وقت کے مسلمانوں کے ہوائے نفسانی اور اعجاب براہ سے مڑی تھیں تو غیر شخص پر عمل درآمد کرنے سے کوئی جرح نہ تھا اور علماء کی کثرت ہر جگہ تھی اور عوام کے بھی معلومات اُس وقت اکثر علماء سے زیادہ تھے۔ لہذا وہ چنداں محتاج تقلید نہ تھے۔ بلکہ اپنے آباء و اجداد سے اکثر مسائل سمجھ بوجھ ہوتے تھے اور شیوع مجتہدات مسائل کا بھی اس قدر نہ تھا جس قدر اب ہے تو ایسی حالت میں اگر اجتماع جملہ عوام و خواص کا ایک مذہب پر نہ ہوا تو کچھ حرج نہیں لاتا اور نہ اندیشہ فساد و فتنہ و نزاع تھا۔ معہذا سہولیت حصول جواب بھی ہر اک مفتی سے

دریافت کرنے میں تھی اور شخصی سے کچھ انکار نہ تھا کہ ہر دو نوع تقلید پر عمل برابر جانا جاتا تھا اور باوجود اس کے عندالافتلاف العلم وافتد کی طرف توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ پس اس کلام سے عدم جواز شخصی کا ہرگز مفہوم نہیں ہوتا حالانکہ خود شاہ صاحب پس و پیش اس کلام کی تقلید شخصی کا اثبات اور اس کے مضمین مصالح ہونے کے معر ہوتے ہیں۔ پس اس سے عدم جواز تقلید شخصی کا سمجھنا نہایت ہی بلاءت ہے۔ الغرض بعد ثبوت اس امر کے کہ یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب و سنت ہے ترک کرنا ہر مومن کو لازم ہے اور کوئی حامی بعد وضوح اس امر کے اس کا منکر نہیں مگر عوام کو یہ تحقیق ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے جہل پر اعتماد کر کے ترجمہ دیکھ کر عالم بن کر معترض ہو یا کسی عالم زمانہ سے جس کو معتبر جانتا ہے سن کر جان لے تو پھر یہ وہی تقلید ہوگی جس کو بدعت خود شرک جانتا ہے۔

پس خلاصہ جواب یہ کہ ہر دو نوع تقلید کتاب و سنت و فعل صحابہ سے و تبع تابعین سے ثابت ہے اور بدوین ہوائے نفسانی کے خاص کر لوجہ اللہ تعالیٰ خواص کو عمل ہر دو پر درست ہے اور عوام اہل حجاب (غیر مجتہد) پر غیر شخصی موجب ان کے اضلال کا ہے۔ بسبب اُن کے فساد طبیعت کے نہ فی حد ذلالت کہ وہ مامور ہے۔ لہذا شخصی کا ارتکاب اولیٰ ہے اور مصالح عدیدہ پر مشتمل ہے اور طعن کرنا تقلید مطلق یا نوع شخصی پر جہل و ضلال ہے

انتهی بقدر الحاجة

الحمد للہ: کہ تقلید شخصی کے وجوب پر جس قدر آیات کریمہ و احادیث نبویہ سے استدلالی۔ یہ محض فضل ربی و عنایت ایزدی کا ہی کام ہے۔ جس قدر اہل عقل و ارباب خرد کے واسطے ضروری دلائل تھے وہ ہم نے بالترتیب بیان کر دیئے ہیں اور اولہ شرعیہ کے ضمن میں اقوال علماء متقدمین و سلف صالحین بھی بقدر ضرورت لکھے گئے تاکہ آیات و احادیث مذکورہ کی بہ عمدگی تشریح و توضیح ہو جائے۔ اب بھی اگر کوئی کور باطن جاہل مرکب ضدی باز

نہ آئے اور تقلید کو ترک ہی کرتا چلا جائے اور کسی کی نہ سنے نہ سمجھے تو ایسے شخص کو دشمن دین دشمن حق دشمن اہل اسلام سمجھ کر اُس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ نہ اُس کو سچا مسلمان جانو نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھو، نہ اُس کو اپنا پیشوا بناؤ۔ ہاں اگر تم بھی نیم رخصتی یا منافق ہو تو اُس سے ملو۔ اب ہماری نیت ہے کہ بعض جہال بے علم کے اعتراضات کا جواب دیا جائے تا کہ مخالفین اہلسنت والجماعت کے دلوں میں حسرت و ارمان نہ رہ جائے۔

سوال: خدا فرماتا ہے: ان الحکم الا للہ (پارہ ۷، سورۃ انعام، آیت ۷۵ و پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۶۷)

یعنی خدا کے سوا کوئی حاکم نہیں پس تقلید امام کی اڑ گئی۔

جواب: اللہ کی قید سے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر نہیں تو آپ کے خیال سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید بھی اڑ گئی۔

سوال: اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ۔

(پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۳۱)

یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و صوفیوں کو اپنا رب پکڑ لیا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ ہم تو خدا نہیں پکڑتے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اُن کے حلال کردہ کو حلال اور اُن کے حرام کردہ کو حرام نہیں جانتے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا یہی رب پکڑنا ہے۔ مسلمان بھی اماموں کے حلال و حرام کو حلال و حرام جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ترک ہے۔

جواب: اس آیت کے متعلق بڑی بڑی غیر مقلدوں کے گوروں نے غلطیاں کہا چکے ہیں۔ مثلاً: نذیر حسین دہلوی و محمد سعید بنارس و فاضل پنجابی و بہوپالی وغیرہ۔ کیونکہ امام صاحب کے ساتھ عداوت اُن کے نزدیک عبادت سے بڑھ کر ہے۔ اس واسطے وہ

غلطیاں کھاتے گئے۔ واضح رہے کہ اہل اسلام نے امامان دین کو صرف مبلغ احکام و مبین اصرار و دقائق دینیہ سمجھ کر اپنا امام بنایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے پیشوا تو حلال و حرام اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے اور اپنی طرف سے کسی چیز کا حلال یا حرام مقرر کرنا کفر ہے۔ لہذا اُن کے پیشواؤں کو کافر اشد کہا گیا ہے۔ یعنی معنی ہیں رب پکڑنے کے۔ اب غیر مقلدین سے کوئی پوچھے کہ کیا امامان دین نے اپنی طرف سے حلال و حرام مقرر کئے ہیں۔ اگر اپنی طرف سے حلال و حرام کئے ہیں تو گویا غیر مقلدوں کے نزدیک سب امامان دین (نعوذ باللہ من ذالک) کافر ہوئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ آیت بار بار پیش کرتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو غیر مقلدوں کو مسلمان کہنا بھی کسی مسلمان کا کام نہ ہوگا پھر مشکل زیادہ یہ پڑے گی کہ احبار کہتے ہیں مولوی کو تواب جاہل بے علم غیر مقلدین جب کسی چیز کو حلال یا حرام کہیں گے تو کسی نہ کسی اپنے گوروں مولوی سے ہی پوچھ کر سمجھ کر کہیں گے تو ثابت ہوگا کہ سب غیر مقلدوں کے مولوی مشرک و بے دین اور آیت مذکورہ کے مصداق ہیں۔ افسوس صد افسوس! تقلید کی ترویج میں ایسی آیتیں پیش کرتے ہیں جن کو تقلید سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ پھر محض ضد و نفسانیت سے مقلدوں کو مشرک بناتے ہیں۔ فقہو باللہ متہم۔ خدا سب کو ہدایت کرے۔ آمین۔ پھر یہ تو کوئی دشمن ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بتائے کہ امام صاحب نے یا کسی امام نے کون سا مسئلہ و بارہ حلال و حرام بیان فرمایا ہے کہ جو برابر قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اُس پر کوئی شرعی دلیل امام کے پاس نہیں یا اگر ثبوت ہے تو امام نے قصد ابر خلاف فرمایا ہے۔ اگر تمام نجدی مل کر کوشش کریں تو کبھی نہ ملے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ اماموں نے جو حلال یا حرام یا مکروہ وغیرہ بیان فرمایا ہے وہ قرآن و حدیث سے نکال کر بیان فرمایا۔ نہ کہ اپنے دل سے۔ پس

امام کی اتباع عین قرآن و حدیث کی اتباع ہے اور مسلمانوں کے پیشواؤں کو یہود و نصاریٰ کے پیشواؤں کے برابر سمجھنا کمال ورجہ کی بے دینی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

سوال: اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه۔

(پارہ ۸، سورۃ اعراف، آیت ۳)

یعنی تابعداری کرو اس کی جو اتاری گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور نہ تابعداری کرو سوائے اس کے آخر تک۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کی تابعداری کرو نہ تقلید کرو کسی کی۔

جواب: اتباع قرآن موقوف ہے۔ اتباع ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کیونکہ احکام الہیہ کو حضور نے قولا و عملا ثابت کر کے ظاہر کر دیا اور اتباع احادیث موقوف ہے۔ اتباع مجتہدین پر جنہوں نے تمام احادیث کو خوب تحقیق کر کے صاف کر کے بیان کر دیا اور صحت و سقم وغیرہ کلی طور پر کھول دیا اور جس قدر مسائل کہ قرآن و حدیث سے استنباط ہوتے تھے۔ سب تفصیلاً تحریر کر دیئے۔ پس اب تتبع قرآن وہی ہو سکتا ہے جو مجتہدین کا مقلد ہے۔ کیونکہ مطالب قرآنی کو مجتہدین نے نہایت عمدگی سے تحریر کر دیا ہے۔ ورنہ بغیر اس کے اتباع قرآن پوری پوری طور پر محال ہے۔ ہاں اگر خالص قرآن کو لیا ہے اور باقی احادیث و تقلید کو چھوڑنا ہے تو پھر چکڑ الوی، نیچری، مرزائی کیوں نہیں بن جاتے۔

سوال: ما اتاکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانتہوا۔

(پارہ ۲۸، سورۃ حشر، آیت ۷)

یعنی جو کچھ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوں تو پکڑو اس کو اور جو کچھ منع کریں اس سے باز رہو۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید منع ہے۔

جواب: تقلید کا تو کچھ ذکر نہیں صرف یہ کہ جو کچھ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اس کو لے لو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم کو بذریعہ علماء

مجتہدین و محدثین پہنچا ہے۔ اگر ہم علماء کی تقلید کریں تو وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے ہم کو ملے گا۔ اگر تقلید نہ کریں تو جو کچھ حضور علیہ السلام نے دیا ہے وہ ہم کو ہرگز نہیں مل سکتا پس ثابت ہوا کہ بغیر تقلید کے کوئی صورت نہیں اور نہ بغیر تقلید کے کچھ مل سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ آیت نال کی تقسیم کے متعلق ہے اور حسب قاعدہ اہل علم حقیقی اتیان کیلئے حاضری و موجودگی شرط ہے۔ چنانچہ حرف گم سے صاف نمایاں ہے۔ پس اگر حقیقی اتیان مراد ہے تو حرف گم کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو آپ کے وقت میں موجود حاضر تھے نہ غیر مقلد۔ اگر ظاہری و عرفی مراد ہے تو یہ سوائے تقلید کے حاصل نہیں۔ پس بہر حال یہ آیت تقلید کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم۔

(پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۶۵)

یعنی خدا کی قسم ہے نہیں ایماندار ہوتے وہ لوگ جب تک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو حاکم و منصف مقرر نہ کر لیں اپنے معاملات میں۔ پھر تیرے فیصلے سے ان کے دلوں میں کدودت و مخالفت پیدا نہ ہو بلکہ عمدگی سے تسلیم کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو ہی ہر اک بات میں منصف و فیصلہ کن مقرر کرنا چاہئے نہ کہ مجتہدین کو۔ پس تقلید کا وجود ہی نہ رہا تو وجوب کہاں؟

جواب: اس آیت میں ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اس کو دل سے یقین کر کے سچ جان کر عمل کرو۔ خواہ کسی معاملہ میں ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرات مجتہدین کے فیصلے مطابق ہیں۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا مخالف۔ اگر موافق ہیں تو اس آیت پر شبہ ہی عمل ہوگا جب مجتہدین کے فیصلہ جات کو حق جائیں اور ان پر پابند ہوں۔ اگر ہیں مخالف تو یہ شان جاہلوں و بے علموں کی نہیں ہے کہ باوجود حامی ہونے کے مجتہدین کا



مقابلہ کرے یا جس بات کو جاہل مکلف کوئی مولوی مخالف کہے وہ ہرگز مخالف نہیں بلکہ حضرات مجتہدین کے فیصلے کو چھوڑ کر غیر مجتہد کی تقلید کرنا سراسر خلاف خدا و رسول علیہ السلام ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ وہ فیصلے جو حضور علیہ السلام و صحابہ کرام نے کئے ہیں بلا تقلید نہیں حاصل ہو سکتے۔ غرض کہ تقلید کرنے سے صرف یہی مقصد ہے کہ وہ کلمات و فیصلہ جات و عدالتیں جو موافق ہیں حضرت ﷺ کے ہم کو حاصل ہوں اور بس۔

سوال: خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ان هذا صراطی مستقیم ما فاتبعوه ولا تعبدوا المسبل (پارہ ۸، سورۃ انعام، آیت ۱۵۳)

یعنی بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا و مضبوط پس اُس کی تابعداری کرو اور نہ تابعدار ہو جاؤ بہت راستوں کے۔ اور اس کے نیچے ابن مسعود کی حدیث صاف ہے کہ ایک ہی راستہ کی اطاعت حق ہے نہ بہت راستوں کی۔ پس شریعت کو چھوڑ کر اور راستوں پر چلنا سخت منع ہے۔

جواب: بے شک یہ تو ہماری مراد ہے کہ بہت راستوں بہت مذہبوں کی پیروی سخت منع ہے چنانچہ بذیل آیت نمبر ۵ بخوبی ثابت کیا گیا ہے کہ اب بتاؤ کہ صراط مستقیم کیا ہے کس کو کہتے ہیں؟ اور اہل اسلام کے نزدیک صراط مستقیم کے کیا معنی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو صراط مستقیم متابعت رسول اکرم ﷺ ہے۔ اب وہ متابعت کیونکر حاصل ہو؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس پر سلف صالحین چلے گئے ہیں جس کو سبیل المؤمنین کہتے ہیں اُسی پر چلنے سے صراط مستقیم ملتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خدا نے ایک جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور بہت فرقوں اور اختلافوں سے روک دیا ہے چنانچہ امام قسطلانی شارح بخاری نے آیت مذکورہ کے تحت میں یہ لکھا ہے:

عن ابن عباس فی تفسیرہ امر اللہ تعالیٰ المؤمنین بالجماعة و نہی عن الاختلاف والفرقة۔ الخ۔

پس بہر حال ہمارا مذہب عابکی ہے کہ ایک مذہب کو پکڑنا کہ ایک جماعت کے ساتھ مل جاؤ اور بہت مذہبوں کی متابعت نہ کرو کہ تم بالکل جدا جدا ہو جاؤ گے جیسا کہ مرزائی، نیچری، چکڑالوی بنتے جاتے ہیں۔ یہ صرف تقلید کے ترک کرنے کا نتیجہ ہے اور اصول اسلام کے چار مسلم ہیں۔ قرآن حدیث، اجماع، قیاس، الحمد للہ کہ یہ آیت ہمارے ہی مطلب کے مفید نکلی۔

سوال: انا وجدنا اباہنا علی امة و انا علی اثارہم مقتدون۔

(پارہ ۲۵، سورۃ زخرف، آیت ۲۳)

یعنی کفار کہا کرتے تھے کہ جس پر ہمارے باپ داوے چلے ہیں اس پر ہم بھی چلیں گے۔ اس قسم کی بہت آیات ہیں قرآن میں جن سے یہی مطلب نکلتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ ہمارے باپ راہ مقلد تھے۔ لہذا ہم بھی مقلد ہیں۔ یہ کافروں کا طریق ہے۔ جواب: اول تو یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں کے ساتھ خدا نے فرمایا ہے۔

اولو کان اباہم لا یعقلون (پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۰)

شیئا ولا یہتدون۔ اولو کان اباہم لا یعلمون شیئا ولا

یہتدون۔ (پارہ ۷، سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۴)

یعنی کیا وہ اپنے آباؤ و اجداد کے قدموں پر چلتے رہیں گے۔ خواہ اُن کے باپ داوے علم و بے عقل و بے ہدایت ہی ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ والدین یا اجداد کی متابعت اُسی وقت تک جائز ہے۔ جب تک علم و ہدایت سے خالی نہ ہو جب دین و



ہدایت کو شامل ہوتا ہے۔ واجب ہے۔ کیونکہ اپنے باپ و دادا کی متابعت من حیث الابوۃ منع نہیں۔ بلکہ من حیث الصلۃ منع ہے۔ اگر آباؤ اجداد کے مذہب کی متابعت ہرگز ہر جگہ کفر و شرک ہوتی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا یوں کہنا کہ (میں نے تابعداری کی اپنے ابا کی ملت کی اور ہم عبادت کریں گے اپنے باپ کے خدا کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کے خدا کی) ہرگز ہرگز جائز نہ ہوتا بلکہ حسب عقیدہ غیر مقلدین کفر و شرک ہوتا۔

كما قال و اتبعت ملة اباي ابراهيم . و ملة ابيكم ابراهيم قالوا نعبد الهك و اله اباك ابراهيم۔

مثلاً: آج کل بھی کوئی عامی مسلمان کسی بے دین کو کہے کہ میں دین کو بیچ اور اسلام کو برحق نجات دہندہ جانتا ہوں کیونکہ میرے تمام باپ و دادا بزرگان مقتدین اسی پر گزرے ہیں۔ لہذا میں اسلام کو نہیں ترک کر سکتا تو کیا ایسے مسلمان کو بھی غیر مقلدین مشرک و کافر ہی کہیں گے۔ نعوذ باللہ منہم۔ پس ثابت ہوا کہ مطلق ماں باپ وغیرہ کی متابعت منع نہیں۔ اس قسم کی آیات کو تقلید کے شرک ہونے پر پیش کر کے مسلمانوں کو خراب و گمراہ کرنا نہایت جہالت اور خباثت ہے۔

سوال: حدیث میں ہے لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ یعنی کسی مخلوق کی تابعداری ایسی نہیں جائز جس میں کہ خدا کا گناہ لازم آئے۔ یہ بھی تقلید کے رد میں ہے۔ جواب: مخلوق میں رسول علیہ السلام بھی تو داخل ہیں تو کیا ان کی اطاعت سے بھی منہ پھیر لو گے۔ اگر کہو کہ آپ ہرگز ہرگز معصیت کا راستہ نہ بتائیں گے تو یہ کہو کہ حضرات امامان دین ہی گناہ کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وہ تو عین قرآن و حدیث کا نتیجہ و خلاصہ مطلب

کھول کر بیان فرمادیتے ہیں۔ ہاں جہاں نص نہیں وہاں پر شارع علیہ السلام کی طرف سے اُن کو اجتہاد کی اجازت ملی ہے جیسا کہ آیت نمبر ۱ کی بحث میں گزرا ہے۔ پس اُن کا اجتہاد بھی امور شرعیہ میں داخل ہے۔ البتہ اگر کوئی جاہل تفسیر محمدی پڑھ کر کہے کہ فلاں فلاں مسئلہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے تو بالکل غیر معتبر ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ پہلے اپنا ایمان ہی حاصل کریں۔ مجتہدین کا کوئی مسئلہ قرآن و حدیث کے خلاف نہیں۔ ہاں بے عقل بے علم کو سمجھ نہ آئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہی اصول مرزا یوں، نیچریوں، چکڑالویوں نے باندھا ہے کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ غلط ہے تو صد ہا کیا ہزار ہا احادیث کا انکار کر کے مخالفین اہلسنت ثابت ہوئے۔ یہی اصول غیر مقلدین کا ہے کہ جو اجتہاد خلاف نصوص ہے وہ غلط ہے۔ پس دونوں عقیدے مساوی ہو گئے۔ حاشا وکلا مجتہد کبھی گناہ کا براہ نہ دکھائے گا یہ تو کسی ادنیٰ ایماندار کا کام بھی نہیں۔ چہ جائیکہ حضرات امامان دین جن پر دین اسلام کی تحقیق و تصدیق موقوف ہے۔

سوال: حدیث ہے لا یومن احدکم حتی تکن ہواہ تبعاً لما جئت بہ یعنی تم میں سے وہی مومن ہے جو میری شریعت کی اطاعت کرے۔ پس اس نے تقلید کو رد کر دیا ہے۔

جواب: یہ محض غباوت و سفاہت کی وجہ سے غیر مقلد سوالات کرتے ہیں ورنہ یہی حدیث دوسرے پہلو پر سائل کے سوال کا جواب ہے۔ وجہ یہ کہ شریعت کے احکام کی تشریح و توضیح، تصحیح و توثیق و ناخ و منسوخ، تقدیم و تاخیر وغیرہ سوائے تحقیق و تصدیق مجتہدین کے ملنا محال ہے۔ کیونکہ مجتہدین نے ظاہر اباطناسی و قوۃ اجتہاد یہ سے بے شمار مسائل نکالے ہیں۔ جن سے شرع شریف کا راستہ آسان ہو گیا ہے۔ پس جس کو شریعت کی فی زمانہ ضرورت ہو وہ بے شک تکلیف کر کے ہمدگی شریعت پر چل سکتا ہے۔ کیونکہ ہم کو جو کچھ پہنچا ہے۔ وہ بذریعہ حضرات علماء دین ہی پہنچا ہے۔

سوال: حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ حنفی فرقہ مرجیہ یعنی ناریہ ہے۔

جواب: پہلے یہ بات قابل تحقیق ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت پیر دنگیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس طرف ہیں کہ ان کی تصنیف ہے۔ بعض اس طرف ہیں کہ ان کی تصنیف نہیں۔ کما حقہ عبدالحق محدث دہلوی۔

ع ..... والناس فیما یعشقون مذاهب

اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت پیران پیر امام طریقت و مقتدائے اہل معرفت ہیں۔ اہل طریقت خصوصاً حضرات قادریہ پر ان کی اطاعت لازم ہے اور حضرات آئمہ اربعہ مجتہدین شریعت ہیں۔ اہل ظواہر پر مسائل شرعیہ میں ان کی تقلید واجب ہے۔ ہم اہلسنت معاملات باطنیہ میں مشائخ کے تابع ہیں اور مسائل شرعیہ میں مجتہدین کے مقلد ہیں اور حضرت پیران پیر باوجود مجتہد فی الہدایہ ہونے کے خود حنبلی مذہب تھے اور اسی مذہب پر ثابت رہنے کی دعا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

الامام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمۃ اللہ علیہم واما لنا علی مذہبہ اصلا و فرعا و حشرنا فی زموتہ۔

یعنی مارے ہم کو خدا امام احمد حنبل کے مذہب پر اصول و فروع میں اور اٹھائے ہم کو خدا قیامت کے دن اس کی جماعت میں۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت پیر صاحب کا مذہب حنبلی تھا۔ کما صرح بہ عبد الحق الدحلوی فی رسالۃ مرج الحمرین۔ اب حضرت پیر صاحب کا نماز کی بعض سنن وغیرہ میں ہمارے مذہب کے خلاف کرنا مضائقہ ندارد۔ کیونکہ وہ بکے مقلد تھے اور جو کچھ کرتے تھے وہ اپنے مذہب کے موافق

کرتے تھے اور اب رہا یہ کہ لفظ مرجیہ بعض حنفیہ کی نسبت۔ سوا اول واضح رہے کہ بعض حنفیہ کی نسبت یہ کہنا کچھ محال نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جماعت اس عقیدہ کی ہو تو اس سے کل حنفی مراد نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ اس طرح تو یہود و نصاریٰ آریہ وغیرہ سب مسلمانوں کو کاذب قرار دیں گے۔ مثلاً: مرزائی و نیچری و معتزلہ وغیرہ۔ جنات و دوزخ و ملائکہ و حیات مسیح وغیرہ کے منکر ہیں یا بعض لوگ شفاعت کے منکر ہیں۔ جیسا وہابی، نجدی یا بعض ویدار خدا کے منکر ہیں یا بعض وحی و الہام کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ان فرقوں پر نظر کرنے سے کوئی غیر دین کل مسلمانوں کو منکر امورات مذکورہ نہیں کہہ سکتا۔ اگرچہ فرداً فرداً کسی کسی جماعت کو انکار حاصل ہے اسی طرح بعض حنفیہ کا لفظ بھی قابل الزام کل فرقہ نہیں ہے۔ اگر بعض فرقہ سے کل فرقہ ہی مراد ہے۔ تو پھر تو وہابی ضرور ہی رافضی ہیں۔ کیونکہ وہابی لوگ اپنے آپ کو محمدی مشہور کرتے ہیں۔ چنانچہ فقہ محمدی کتاب کا نام بھی رکھ دیا ہے۔ پیر صاحب محمدی فرقہ کو رافضیوں میں شامل کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

اما الرافضة فتفرقت اربع وعشر فرقة القطبية و الکسانیة و الکریبة و المغربیہ و المحمدیة الخ۔

پس اگر غیر مقلد لوگ محمدی ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ رافضی ہیں اور اس میں لفظ بعض بھی نہیں۔

دوم یہ بات رہی جن کی نسبت لفظ مرجیہ کہا گیا ہے ان کی علامت یہ کہ وہ فرقہ ایمان کو معرفت باللہ جانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اما الحنفیة فہم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت زعموا ان الایمان هو المعرفة باللہ ولا قرارا یعنی بعض حنفی جن کا زعم یہ ہے کہ

ایمان معرفت حق ہے۔ حالانکہ کتب عقائد حنفیہ میں یہ کہیں نہیں۔ چنانچہ دیکھو عقائد نسفی  
الایمان هو التصديق بما جاء به من عند الله والاقراية قال  
العلامة في شرحه ان بعض القدرية ذهب الى ان الايمان هو المعرفة و  
اطبق علمائنا على فسادہ۔

یعنی ایمان نام ہے تصدیق بما جاء عند الله کا اور ساتھ اس کے اقرار کرنا البتہ  
بعض قدریہ کا مذہب ہے کہ ایمان نام ہے معرفت کا اور ہمارے علماء اس کے مخالف ہیں  
پس معلوم ہوا کہ بعض قدریہ نے اپنے آپ کو حنفی ظاہر کیا ہے انہی کی نسبت  
لفظ مرجیہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ کئی وہابی اپنے آپ کو بعض بعض قریبہ و دیہات میں حنفی ظاہر  
کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

قال صاحب المواقف و من الفرقة المرجية الغسانية اصحاب  
غسان الكوفي قالوا الايمان هو المعرفة بالله ورسوله اجمالا لا تفصيلا الى  
ان قال و غسان كان يحكيه اى هذا القول عن ابي حنيفة و بعده من  
المرجية و هو افتراء عليه قصد به ترويح مذهب لموافقة رجل كبير  
مشهور الخ ملخصاً۔

یعنی غسان غیریہ فرقہ بھی مرجیہ ہے جس کا قول ہے کہ ایمان نام معرفت باللہ کا اور  
غسان کوئی اس قول کی نسبت حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرتا تھا اور ان کو مرجیہ  
خیال کرتا تھا مگر یہ محض افتراء بہتان ہے۔ مقصد غسان کوئی کا یہ تھا کہ بڑے بزرگ کی  
موافقت سے میرا مذہب مشہور ہو جائے گا۔

في الملل والنحل و من العجب ان غسان كان يحكي عن  
ابي حنيفة مثل مذهبه و بعده من المرجية ولعله كذب الخ و قال

المعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم في القدر مرجيا الخ  
یعنی جو شخص معتزلہ کی مخالفت کرتا تھا اس کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔

سوم یہ کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ مرجیہ کسی غیر نے الحاق و وضع کر دیا  
ہے چنانچہ حضرت مولانا محدث نعیم اللہ صاحب رسالہ تنقید الکلام میں لکھتے ہیں۔ غرض کہ  
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دشمن تو بہت ہیں لیکن کیا ہی عمدہ کہا ہے صاحب عقل و اہل علم نے  
فلعنة ربنا عداد رمل علی من رد قول ابي حنيفة  
یعنی کروڑ در کروڑ بے شمار لعنتیں ہوں اس شخص پر جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی  
تردید کرے۔ شخیرا تو ہوتا۔

سوال: خدا تعالیٰ فرماتا ہے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا۔

(پارہ ۲، سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳)

یعنی چنگل مارو ساتھ خدا کی رسی کے سب لوگ اور نہ فرقہ فرقہ بن جاؤ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تقلید نہ کرو۔ بلکہ قرآن پر عمل کرو۔

جواب: اس آیت کو تقلید کے ساتھ کوئی علاقہ مخالفت کا نہیں۔ کیونکہ اگر مراد یہ ہے کہ  
قرآن کے اسرار وقائق حاصل کرو اور اس پر پورا پورا عمل کرو تو یہ تو ہمارے اہلسنت و  
الجماعت مقلدین کو بخوبی حاصل ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ صرف الفاظ پڑھ کر بلا سمجھے  
سوچے اندھوں کی طرح قبول کرتے جاؤ تو یہ مرزائیوں پھیروں، چکڑالویوں نے  
حاصل کر لیا ہے۔ سو غیر مقلدین بھی ان کے ساتھ صاف طور پر مل کر الگ ہو جائیں۔  
ہمارے حضرات فرقہ اہلسنت و الجماعت یہی تو کہتے ہیں کہ ایک ہی طرف ایک ہی  
مذہب پر قائم ہو یا نیا فرقہ نہ تیار کرو۔ اور اہلسنت کے ساتھ رہنے سے ہی اعتصام  
بالکتاب حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص اہلسنت میں مل گیا وہی شخص خدا کے رستے کے



ساتھ چنگل مارتا ہے۔ کیونکہ اہلسنت والجماعت نے جو کچھ قرآن وحدیث کا مطلب لیا ہے وہی خداورسول ﷺ کے نزدیک عمدہ ہے اور جو کچھ مخالفین اہلسنت نے لیا ہے وہ سراسر غلط وغیر معتبر ہے۔ چنانچہ جس نے قرآن پر چنگل مارا وہ تقلید کے وجوب کا قائل ہوا اور جس نے نہ مارا وہ خارج از اہلسنت ہوا۔

سوال: ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم

(پارہ ۸، سورۃ انعام، آیت ۱۵۹)

یعنی تحقیق جن لوگوں نے فرق کر دیا اپنے دین کو یعنی دین میں تفرقہ ڈال دیا ہے تو یا محمد ﷺ اُن میں سے نہیں۔ دوسری جگہ صاف حکم ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا الایۃ۔ یعنی اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ ڈال دیا ہے پس ثابت ہوا کہ تقلید سخت منع ہے۔

جواب: آیت مذکورۃ الصدر کے معنی تو یہ ہیں۔ فرقوں سے مراد اہل سوء و اہل بدعت ہیں اہلسنت والجماعت مراد نہیں۔ دیکھو تفسیر اتقان مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۴۴۔

اخرج الطبرانی وغیرہ بسند جید عن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعائشۃ ان الذین فرقوا دینہم ہم اصحاب البدع والاهواء من ہذہ الامۃ۔ پھر اسی تفسیر کے صفحہ ۳۴۲ میں لکھا ہے:

اخرج الدیلمی فی مسند الفردوس بسند ضعیف عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی قولہ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔ قال تبیض وجوہ اہل السنۃ و تسود وجوہ اہل البدعۃ۔ الخ۔

یعنی اس آیت مذکورہ سے مراد تو بد مذہب و بدعتی ہیں اور دوسری آیت میں

اہلسنت کے چہرے تو سفید ہونگے اور بدعتیوں کے چہرے سیاہ ہونگے۔ اب افسوس ہے اُن لوگوں پر جو خواہ مخواہ آیتیں پیش کرتے جاتے ہیں اور دیکھتے نہیں کہ آیات کا کچھ لگاؤ بھی ہے یا نہیں اور اکثر غیر مقلدین کی عادت ہے کہ جو آیات کفار کے حق میں وارو ہیں۔ وہ سب مومنین کے حق میں پیش کر کے وہی نسبت پیدا کرتے ہیں جو کفار کے ساتھ ہے۔ حالانکہ یہ عادت خارجیوں کی تھی۔ دیکھو بخاری باب قتال الخوارج والمحدین صحیح حدیث درج ہے۔

وکان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین۔ اور صاحب مجمع البحار بھی یہی نقل کرتے ہیں۔

وکان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ لا لہم یعمدون الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین۔ الخ۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو تمام خلقت سے بدتر جانتے ہیں کیونکہ وہ کافروں کی آیات مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہی حال ہے غیر مقلدوں کا کہ تقلید کے رد میں ایک آیت بھی نہیں۔ بالخصوص تقلید شخصی کی تردید میں تو تمام نجدی بھی جمع ہو کر دلیل لاویں تو نہ لاسکیں گے۔

سوال: بہر حال تقلید کے بدعت ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں اور حدیث شریف میں صاف آیا ہے۔ کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ ومن احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد۔ یعنی ہر اک بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے اور جو شے دین میں نو پیدا ہو حالانکہ دین میں سے نہیں وہ مردود ہے۔

جواب: افسوس صد افسوس، غیر مقلدین اس قدر بے علم ہیں کہ خدا کی پناہ، یا تو قصداً



ضد پر اڑ کر اہلسنت والجماعت کے ساتھ عداوت و مخالفت کرتے ہیں یا اولیاء اللہ کی عداوت سے اُن کے دل سیاہ اور آنکھیں بنے نور ہو گئی ہیں۔ اب ہم لفظ بدعت کے تفصیلی معنی لکھتے ہیں اور دکھائیں گے کہ علماء دین نے کیا کیا معنی لکھے ہیں اور بدعت کتنے قسم پر ہے اور کون سی بدعت گناہ ہے اور کون سی بدعت ثواب ہے۔ ناظرین اس بحث کو بخوبی یاد رکھیں کہ وقت پر بہت کام آئے گی۔ کیونکہ جس قدر اہلسنت کے معمولات ہیں مثلاً: مولود شریف اور نذر نیاز اور عرس شریف اور ختمات شریف و دیگر امور کرتے ہیں تو غیر مقلدین وغیرہ یہی حدیث پیش کر کے اپنا دل کا بخار نکالتے ہیں۔

اول وہابیوں کے امام مولوی خرم علی صاحب حدیث مذکورہ کے تحت میں لکھتے ہیں ”جو دین میں نئی چیز نکالے جس کی شرع میں کچھ اصل نہ ہو نہ کھلی نہ چھپی اسی کا نام بدعت ہے۔“

امام دوئم غیر مقلدوں کے یعنی ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

فمن الجهلة من يجعل كل امر ما لم يكن في زمن الصحابة بدعة مذمومة فان لم يقم دليل على قبحة متمسكا بقوله عليه السلام اياكم و محدثات الامور ولا يعلمون ان المراد بذلك ان يجعل في الدين ما هو ليس فيه. (بدلیۃ المرتدین لابن تیمیہ)

یہی بیان شرع مقاصد جلد دوم صفحہ ۲۷۱ میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ وقول جالبوں کا ہے کہ جو چیز صحابہ کے وقت میں موجود نہ تھی وہ ضروری بدعت مذمومہ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور کتاب حدیقہ ندیہ شرع تحفہ حمیدیہ میں محدث عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں:

اما البدعة في الشرع اذا كان فيها اعانة على طاعة شرعية

فانها تكون باذن من الشارع ولو بطريق الاشارة و هي بدعة حسنة  
یعنی جس بدعت سے دین کو مدد پہنچے وہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ اُس میں شارع علیہ السلام کا اشارہ کافی ہے۔

سوم شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ میں لکھتے ہیں:

حدیث من احدث في امرنا مخصوص است بانچه که در شرع اصلے نداشته باشند نہ از خلفا و نہ اجماع امت ثابت شدہ باشد۔

چہارم: محدث شافعی امام جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ میں (جو فاکہانی مالکی کے رو میں ہے) لکھا ہے:

ان البدعة لم تنحصر في الحرام بل قد يكون مباحة مندوبة و واجبة.

یعنی بدعت صرف حرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ بدعت واجب ہے اور مندوب بھی ہے اور مباح بھی ہے۔

پنجم: شیخ عبدالحق محدث حنفی شرع مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”از انچه موافق اصول و قواعد سنت است و قیاس کردہ شدہ است بر آں آرا بدعت حسنہ لے گویند..... و بعضی بدعتا است کہ واجب است و بعضی مستحسن و مستحب وغیرہ و من ابتدع بدعة ضلالة“ کہ و کسیکہ بدعتی کند ضلالۃ راضی نیست ازاں خدا و رسول ﷺ بخلاف بدعت حسنہ کہ دروے مصلحت دین است۔

یعنی وہ بدعت گناہ ہے جس سے برائی حاصل ہو ورنہ جس بدعت سے دین کو  
انہی مقدم طریقہ حمیدیہ کی شرح جلد اول صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷ مطبوعہ میں مفصل ہے۔

سند ظاہر او خفی ملفوظ او مستنبط فهو مردود علیہ الخ  
یعنی جس نے اسلام میں کوئی خیال ایسا پیدا کیا جس کی تائید نہ قرآن سے نہ  
حدیث سے ظاہراً باطناً استنباط نہ ہو (جیسے مرزائی تیجری وغیرہ) تو وہ رائے و خیال  
مردود ہے۔

یازدہم: علامہ جلیل صاحب سیرۃ الخلیفہ لکھتے ہیں۔

ما احدث من الجزو لم یخالف من ذالک فهو البدعة المحمودۃ  
یعنی جو بدعت نیکی سے ہو اور کوئی کام نہ آئے تو وہ بدعت حسنہ و محمودہ ہے۔

دوازدہم: امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں ص ۷۲ جلد ۲۔

انما المحذور بدعة تراغم سنة ما مورابها۔

یعنی اندیشہ اس بدعت کا ہے جو مٹائے کسی امر مستنونہ کو۔

سیزدہم: فتاویٰ عالمگیریہ باب آداب المسجد جلد پنجم میں ہے:

و حکم من شئ کان احداثاً و هو بدعة حسنة

یعنی کسی بدعتیں ایسی ہیں جو نیک ہیں۔

احیاء جلد اول باب کتابت قرآن میں ہے۔

ف حکم من محدث حسن یعنی کئی بدعتیں نیک ہیں۔

چہار دہم: فتاویٰ مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی جلد اول ص ۵۰ میں لکھتے ہیں:

محدث امریست کہ نہ موجود بود بخصوصیت در زمانہ نبوی و در زمانہ صحابہ کرام و

تا بعین کہ مشہود لہا بالخیر اند باشد و نہ اصلش از اولہ اربعہ۔ یعنی کتاب و سنت و اجماع و

قیاس یافتہ شود۔ علامہ شریف در حواشی مشکوٰۃ ی نویسد۔

مرد پختہ بدعت حسنہ واجب مستحبہ ہے۔

ششم: محدث ابن حجر شافعی کتاب فتح المبین میں لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة الى الاحکام الحسنه لانها اذا عرضت على  
القواعد الشرعية لم تنحل عن واحد من تلك الاحکام فمن البدع  
الواجبة۔ الخ۔

یعنی بدعت پانچ قسم پر ہے واجب اور مستحسن اور حرام و مباح وغیرہ۔

ہفتم: شاہ محمد اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں۔

البدعة ما احدث ما خلاف الحق للتلقی عن رسول الله صلى  
الله عليه وسلم من علم او عمل او حاله بنوع شبهة واستحسان۔ الخ  
یعنی بدعت وہ ہے جو کہ خلاف ہو شرع کے اور صرف و نحو بھی بدعت حسنہ ہے۔  
ہشتم: صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں:

کل بدعة ضلالة خص منه واجب او مندوب او مباح۔ الخ۔  
یعنی بدعت کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے بعض بدعت کرنا واجب بعض  
مندوب و مباح۔

نہم: امام زرقانی شارح موطائے لکھا ہے:

کل بدعة ضلالة عام مخصوص البعض  
یعنی بدعت ضلالت عام ہے جس سے کئی بدعتیں خاص و جدا کی گئی ہیں۔

دہم: جلیبی اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

ان من احدث في الاسلام راء يالم يكن له في الكتاب و السنة

المعنى ان من احدث فى الاسلام رايالم يكن له من الكتاب  
والسنة سنداً ظاهراً او خفياً ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه و  
فاضل معين بن صفى در شرح اربعين نووى نويسد فان قلت قد اشتهر ان  
البدعة نوعان حسنة و سيئة فكيف يكون كل بدعة ضلالة بلا  
تخصيص قلت المراد من البدعة فى الحديث البدعة الشرعية و  
هى ما ليس له اصل شرعى و كل ما فعله الشارع او امر به فهو ليس  
ببدعة شرعية . الخ

حافظ ابن حجر در ہدیہ ساری مقدمہ فتح الباری در فصل خاص کہ موضوع است  
برائے شرح غریب می آرد قولہ من احدث حداً یا فعل فعلاً لا اصل له فی الشرع۔ پس ہر  
محدثیکہ کہ وجوہش بخصوصیت در زمان از از منہ ثلاثہ باشد لیکن سندش در ولیلہ از اولہ  
اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہ شد و استحسان صفت مامور بہ است خواہ صراحتہ یا دو اروضہ  
باشد یا از قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ خواہ واجب باشد خواہ مندوب۔ الخ۔

غرض کہ خلاصہ تحریرات مذکورہ کا یہ ہے کہ ہر اک بدعت گناہ و حرام نہیں بلکہ  
بعض کا کرنا تو واجب، بعض کا مباح، بعض کا مستحسن و مستحب۔ پس جبکہ بڑے بڑے علماء  
دین محدثین نے بدعت کو کئی قسم پر تقسیم کیا ہے۔ تو پھر جاہلوں کی طرح ایک ہی بدعت  
کہے جانا اگر ضد و عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

سوال: یہ تقسیم تو لغو ہے نہ شرعی۔

جواب: نہایت ہی افسوس ہے کہ اہلسنت کی عداوت نے بالکل ان کو اندھا کر دیا ہے۔  
دیکھو محدثین نے جو تشریح و توضیح فرمائی وہ شرعی تقسیم ہے یا لغو ہے۔ کیا محدثوں نے لغت  
کی کتابیں لکھی ہیں۔ یا حدیث کی شرح لکھی ہے۔ اگر لغوی مراد ہوتی تو صاحب قاموس د

مشتبی الارب و لسان العرب وغیرہ اس تعریف کو لکھتے حالانکہ لکھی تو ان محدثین نے ہے  
جن کو حدیث کی تشریح و تفہیم مقصود تھی۔ پھر اس طرف تو ہو بدعت اور اس طرف ہو  
واجب یا مستحب۔ اس کے کیا معنی؟ اب تم ہی کہو کہ محدثین نے جو لفظ بدعت کی تشریح  
کی ہے اگر یہ شرع میں نہیں تو کس کتاب میں اس لفظ کی تعریف درج ہے جس کو شرعی  
تعریف کہا جائے۔

جواب دوم: اس امر کا خود رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ صاف فرمادیا ہے وہ یہ ہے۔ سنل رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا سنة الحدیث  
یعنی سوال کیا صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے کہ جو بدعت ایسی ہی ہو کہ نہ  
قرآن میں ہو نہ حدیث میں تو اس کا کیا حکم ہے تو حضرت ﷺ نے فرمایا۔

ینظر فیہ العابدون من المومنین۔ رواہ الدارمی۔

یعنی اس امر محدث میں عابدین مومنین یعنی خاص اہل اللہ لوگ نظر کریں یا سوچیں۔  
پس آپ نے جب خاص مومنین کو سوچنے کا حکم دیا تو مجتہدین محدثین بالاتفاق  
خاص اشخاص ہیں جو کچھ انہوں نے معنی بدعت کے بیان کئے ہیں وہ سب درست ہیں۔  
دوسرا ایک حدیث میں یوں ہے۔

۱۔ راہ المومنون حسن فهو عند الله (حسن رواہ الموطا)

یعنی جس بات کو مسلمان عمدہ و نیک خیال کریں وہ ہی خدا کے نزدیک بھی  
نیک و بہتر ہے۔ المومنون سے مراد بھی وہی عابدین مومنین ہیں نہ ہر اک کلمہ گو وغیرہ  
۔ پس معلوم ہو گیا کہ ہر اک بدعت گناہ نہیں بلکہ بعض بدعت کا کرنا لازم و موجب اجر و  
ثواب ہے اور تقلید بالغرض و الحال اگر بدعت بھی ہو تو وہ واجب ہوگی اصل میں غیر  
مقلدوں کی غرض یہ ہے کہ مجتہدوں کی تقلید سے لوگوں کو ہٹا کر اپنی اپنی تقلید کا پٹہ ان



کے گلے میں ڈالیں۔ حالانکہ ایماندار سے کبھی یہ نہ ہوگا کیونکہ کجا مجتہدین اور کجا آج کل کے مخالفین جاملین۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مرزائی و نیچری و چکڑالوی وغیرہ اسی نہ تقلید کرنے کا ہی ثمرہ ہے۔

سوال: اگر مرزائی، نیچری، چکڑالوی وغیرہ دہائیوں سے نکلے ہیں تو وہابی کہاں سے نکلے ہیں جواب: یہ بات سب پر روشن ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین برحق و صادقین اور وہاں سے لے کر تمام مومنین خاص و عام کا سلسلہ برابر تاحال چلا آ رہا ہے۔ اب فرماؤ کہ یہ چوہڑے چار دہندہ و سکھ وغیرہ کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ غرض تو یہ ہے کہ اہلسنت کے اصول و قواعد ہی ایسے ہیں کہ کسی طرح غیر مقلد نہیں بن سکتے اور غیر مقلدین نے صاف آزادی کے اصول (انگریزوں کی طرح) باندھ دیئے ہیں لہذا ان اصولوں پر عمل کر کے ضرور ہی آزاد ہوگا۔ خواہ مرزائی ہو خواہ نیچری خواہ چکڑالوی۔

جواب دوم: یہ فرماؤ کہ ملائکہ بھی اول درجہ کے مومنین ہیں اور انبیاء مرسلین و صالحین ان سے اعلیٰ مومنین ہیں۔ یہ تو خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ بھلا یہ کہو کہ شیطان کہاں سے آیا اور کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا۔ حضرت ﷺ نے ان کے حق میں نہ دعا فرمائی بلکہ فرمایا کہ ایک فتنہ و قرن شیطان نجد سے ظاہر ہوگا۔ چنانچہ عبدالوہاب کا حال در مختار باب البغاة میں مندرج ہے وہاں سے غیر مقلدین شروع ہوئے وہی پیشگوئی بعینہ صادق ہو گئی۔ اب کیا پوچھتے ہو کہاں سے پیدا ہوئے۔

سوال: ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح عین العلوم میں لکھتے ہیں:

من المعلوم ان الله ما كلف احدا ان يكون حنفيا او مالكيا او شافعيا او حنبليا بل كلفهم ان يعملوا بالسنة ان كانوا علماء او تقلدوا علماء ان كانوا جهلاء۔

یعنی خدا نے کسی شخص کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی بنے یا شافعی یا مالکی یا حنبلی وغیرہ بلکہ یہ تکلیف تو ضروری ہے کہ عامل بالسنتہ ہوں۔ اگر وہ علماء ہیں اگر بے علم ہیں تو علماء کی تقلید کریں۔

جواب: اگر تکلیف دینے سے مراد یہ ہے کہ اسم دار کسی کو تابع و متبوع نہیں بنایا۔ مثلاً: یا عبد الجبار طعنی یا احمد الله اقم الصلوٰۃ یا نثار الله امن بالله تو شاید درست ہو۔ کیونکہ اس طرح کسی کو حکم نہیں۔ مگر اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ احمد الله یا عبد الجبار وغیرہ کے واسطے قرآن باعث ہدایت نہیں یا ان کو قرآن پر عمل نصیب نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر کوئی شخص مسلمان نہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ہم صفحہ ۲۲ میں اشارہ کر آئے ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ بے شک نام بنام تو کسی کو حکم نہیں مگر جب یا ایہا الذین امنوا آگیا تو عبد الجبار و مولوی احمد اللہ وغیرہ اس میں آ گئے ہیں۔ تو پھر جواب یوں کہنا بجا ہے کہ جب خدا نے فرمایا اولی الامر منکم، فاستلوا اهل الذکر یعنی اہل ذکر اور صاحبان حکم کی اطاعت کرو تو امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ ہمارے رحمۃ اللہ علیہم بھی اس میں آ گئے۔ پھر نزاع ہی کیا رہی اور علاوہ ازیں ملا علی قاری نے یہ فقرہ و تقلد و علماء ان كانوا جهلاء صاف فرمایا ہے۔ اس سے ہمارا مطلب پورا نکل آیا کہ جو جاہل ہیں وہ علماء کی تقلید کریں۔ بس یہی مطلب ہمارا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری کے اقوال پہلے درج ہو چکے ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۷۰۷، ۷۰۸ رسالہ ہذا)

سوال: مولانا بحر العلوم عبد علی شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

اذما وجب الاما او جب الله تعالى والحكم به ولم يوجب على احد ان يتمذهب بمذهب رجل من الائمة فايجا به تشرع جديد .

یعنی خدا نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ مذہب پکڑے کسی امام کا۔ پس امام کے مذہب پکڑنے کو واجب کہنا نافی شرع ہے۔

جواب: یہ تو غیر مقلدوں کی سخت تافہی ہے۔ ہم ابھی صفحہ ۷۰ میں عبارت شرح مسلم الثبوت لکھ آئے ہیں۔ وہاں پر صاف ہے کہ اگر غیر مجتہد ہے تو ضرور تقلید کرے۔ پس عبارت مذکورہ فی السؤال کا مقصد تو یہ ہے کہ خدا نے کسی کو یہ نہیں فرمایا کہ اے لوگوں! احمد اللہ یا مولوی عبد الجبار یا مولوی ثناء اللہ کی بات کو سچ مان کر عمل کرو۔ پس اب یہ کہنا کہ مولوی احمد اللہ کا مسئلہ صحیح ہے یا مولوی عبد الجبار کا مسئلہ حق ہے یا مولوی ثناء اللہ کا مسئلہ صادق ہے۔ سراسر غلط ہوا کیونکہ ان کے بیانات کو سچ جان کر عمل کرنا بھی شرع جدید ہے۔ جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ غرض کہ اس قسم کی عبارتیں غیر مقلدین خود تو سمجھتے نہیں مگر خلق اللہ کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہی عبارتیں نذیر حسین غیر مقلد دہلوی نے محمد حسین بنالوی نے، محی الدین نو مسلم کتب فروش لاہوری نے محمد سعید بنارس نے لوگوں کو سناسنا کر چاہ ضلالت میں ڈال دیا ہے۔ پناہ بخدا اور امام ابن ہمام نے فتح القدر میں صاف لکھا ہے کہ مقلد حنفی کو خلاف اپنے مذہب کے جائز نہیں۔

سوال: شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

اور اسلغ احکام اوئدانتہ ربقہ اطاعت و رگردن انداز دو تقلید او لازم شمار دو باوجود ظہور مخالفت حکم او با حکم اوتعالی دست از اتباع او برندارو۔

جواب: اس عبارت میں بھی مشکوٰۃ مولوی نے سخت غلطی کھائی ہے۔ دیکھو صاف لکھا ہے کہ اور اسلغ احکام اوئدانتہ۔ اسلغ یعنی اماموں کو پیغام رساں و مظہر حق نہ سمجھتے تو وہ تقلید ممنوع ہے۔ سو ہم کو کچھ مضرت نہیں کیونکہ ہم تو امامان دین کو مظہر احکام و پیغام رساں سمجھتے ہیں۔ ہاں جو شخص زیادہ اعلم و افضل ہے اسی کی بات کو حق پر سمجھتے ہیں۔ مثلاً تمام امت میں سے بعد صحابہ کرام و ائمہ اربعہ کو اعلم و افضل جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام اعظم تابعی رضی اللہ عنہ کو بڑا علامہ و فہام و افضل جانتے ہیں نہ صرف فی زمانہ کے مسلمان بلکہ ہمیشہ ہر صدی میں سب لوگ ایسا ہی کہتے رہے ہیں۔ الامن کان من الشاذۃ۔

پھر دوسرا فقرہ تفسیر کا یہ ہے۔ باوجود ظہور حکم او با حکم خدا یعنی امام کا حکم صاف قرآن کے خلاف ہو۔ اب اس جگہ صرف یہ بات قابل یادداشت ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دیہاتی تفسیر محمدی پڑھنے والا اور اردو ترجمہ خوان تو قرآن کو سمجھ کر حق بیان کرے اور ایک مجتہد زمانہ علامہ یگانہ نائب پیغمبر فخر المجتہدین قرآن کو نہ سمجھ کر خلاف قرآن بیان کرے یا یہ ممکن ہے کہ ایک عظیم الشان مجتہد بلکہ افضل المجتہدین سے تو غلطی واقع ہو اور اُس کی تصحیح و اصلاح ایک تقویۃ الایمان و نصیۃ المسلمین پڑھنے والا کرے۔ معاذ اللہ من ذالک۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی حدیث بظاہر الفاظ قرآنیہ کے خلاف ہو تو کیا وہ جاہل حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر عمل کر لے۔ اگر کر سکتا ہے تو غیر مقلدین سے بڑھ کر چکڑا لوی حق پر ہوئے کیونکہ غیر مقلدوں نے فقہ چھوڑ کر احمدیہ کا دعویٰ کیا۔ چکڑا لویوں نے حدیث ترک کر کے اہل قرآن ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا یوں نے دونوں کو ترک کر کے

اہل الہام ونبوة ورسالت کا دعویٰ کیا۔ مگر سب کی اصل ایک ہی ہے یعنی غیر مقلدین۔  
پنجاب میں جس قدر ہلاکت و ضلالت میں لوگ گرفتار ہوئے ان کا سبب صرف ایک محمد  
حسین بٹالوی ہے۔

(دیکھو رسالہ اشاعت السنہ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء مصنفہ مولوی محمد حسین بٹالوی)  
یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ جس کو اپنی شہرت و عزت طلبی و دولت  
کمانے کا شوق ہوتا ہے وہ پہلے ہی خفیوں کے مخالف و امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عداوت  
پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب مذکور رسالہ جواب سوالات عشرہ میں لکھتے ہیں:  
لیکن وریں ہر سہ وجہ شرط دیگر ہم است و آن این است کہ تلفیق  
واقع نشود۔ یعنی بسبب ترکیب صورتے متحقق شود کہ در ہر دو مذہب  
روان باشد مانند آنکہ فصد راناقص وضو نہ اند باز ہماں وضو پس امام  
بے قرأۃ فاتحہ نماز بگذار د کہ در بیچ مذہب روان باشد وضو بر مذہب  
حنفی باطل گشت و نماز بر مذہب شافعی۔

اور لکھتے ہیں:

اگر سوائے اس وجہ ثلاثہ ترک اقتداء حنفی نمودہ اقتداء شافعی نماید با بیچ کسے مکروہ

قریب بحرام است زیرا کہ لعب است و ردین۔

اب اس عبارت مذکور الصدر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب بھی  
تقلید شخصی کو ہی واجب سمجھتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص ہم عصر امام صاحب کا

جو آپ کے علم و فقہ سے حصہ گیر ہوا احتیاط و تقویٰ و اجتناب میں مشیل ہو۔ وہ آپ کے کسی  
مسئلہ پر کچھ گفتگو کرے۔ مگر ایسا وقوع میں آج تک نہ آیا۔ امام شافعی صاحب جیسے مجتہد  
نے آپ کی قبر کے پاس صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑی۔ سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس امام  
کے ادب سے نہیں پڑھا۔ (مرقاۃ ملا علی قاری)

حالانکہ امام شافعی کے مذہب میں نماز صبح میں دعاء قنوت کا پڑھنا سنت  
ہے۔ پس جبکہ امام شافعی جیسے جلیل القدر کا یہ حال ہے تو اور کسی کی کیا جرأت ہے  
امام بخاری وغیرہ تو امام صاحب کے سامنے کسی حساب میں ہی نہیں۔ اگر امام  
بخاری کو آپ چاہ کی برابر خیال کیا جائے اور امام صاحب کو ایک سمندر غیر  
محدود کہا جائے۔ تو بے شک درست ہے۔ امام بخاری کا وہ قول وہ تحقیق نہایت  
ہی حق و صحیح ہوگا جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے موافق ہو اور جو قول خلاف ہو وہ  
بالکل قابل التفات بھی نہیں کیونکہ ایسے شیریر (فی العلم) کے رو برو دیگر عام  
محدثین مثل بخاری وغیرہ مانند صفور ہیں۔ امام صاحب کا مرتبہ بجز خدا کے کسی کو  
معلوم نہیں ایسے امام کی قصداً مخالفت کرنا تو ہین کرنا، کمال بد قسمتی و محرومی از  
رحمت کا باعث ہے۔

فلعنة ربنا اعدا درمل

علی من رد قول ابی حنیفہ



غرض کہ اے دوستو! تو بہ کرو بد قوموں، بد فرقوں، بد مذہبوں سے بچو۔ اُن کے  
 مذہبوں سے اُن کے مذہبی دھوکہ میں نہ آؤ۔ بلکہ اہلسنت یعنی مقلدین میں خالص عقیدہ  
 سچے دل سے مل کر اپنا ایمان و اسلام مضبوط و ثابت رکھو۔ آمین۔

تمت بالخیر

=====